جلد ۱ —— شمارہ ۷

دار العلوم دیوبند کا دینی علمی ماہنامہ

دار العلوم

رجب سنہ ۱۳۷۰ھ مطابق اپریل سنہ ۱۹۵۱ء

:- رسالہ ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوگا :-

:- نگران اعلیٰ :-

حضرت مولٰینا الحاج محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر

ابن الانور محمد سید ازہر شاہ قیصر

چندہ سالانہ

ہندوستان و پاکستان سے تین روپے فی پرچہ ۶ر

ممالک غیر سے پانچ روپے

دار العلوم دیوبند

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حرفِ آغاز"

(سیّد محمد ازہر شاہ قیصرؔ)

تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے "القاسم" کے نام سے ایک مجلّہ شہریہ کا اجراء کیا گیا تھا جو میاں اصغر حسین صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سراج احمد صاحب رشیدی، مولانا محمد اعزاز علی صاحب، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہ بزرگوں کی ادارت و انتظام میں کچھ کم بیس سال تک دارالعلوم سے نکلتا رہا۔ اور اپنے وقت کا ممتاز علمی دینی رسالہ سمجھا جاتا تھا ہمارے بزرگ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ کے اجراء و انتظام سے خاص طور پر دلچسپی ظاہر فرمائی اس کے پہلے پرچہ کے لئے خود مضمون تحریر فرمایا اور اپنے معتمد شاگرد حضرت میاں اصغر حسین صاحب مرحوم کو ابتداءً اس کی ترتیب و ادارت کا کام سنبھالنے کے لئے جونپور سے باصرار دیوبند بلایا۔ اسی سلسلہ میں حضرت شیخ الہند نے ایک خط میاں صاحب کو تحریر فرمایا تھا جس کی یہ چند سطریں قابل نقل ہیں۔

> یہ ضرور ہے کہ سردست رسالہ کی اگاڑی سنبھالنے کو کوئی لائق معتمد علیہ شخص ہو کچھ عرصہ کے بعد رسالہ کے لئے انشاء اللہ بہت پیدا ہو جاویں گے۔ اس وقت رسالہ کی ابتداء اگر ہماری طرز و وضع اور خیال ... اختلاف پڑ گئی تو اندیشہ کی بات ہے اس وجہ سے ... نظر آیا کہ مکرم سید کو رسالدار بالفعل بنا ...

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ... علمی افکار کی اشاعت کا ہمیشہ خیال رہا ہے ... لئے انھوں نے ادب و صحافت سے بھی مناسب حد تک کام لیا ہے۔ "القاسم" کے بعد عرصہ تک دارالعلوم کا اپنا کوئی ترجمان نہیں تھا تا آنکہ ۱۳۶۰ھ میں رسالہ دارالعلوم نکالا گیا جو ۶ سال تک اپنی بہت سی مجبوریوں کے باوجود اشاعت دین اور تبلیغ حق کا فرض ادا کرتا رہا۔ ہمارا موجودہ رسالہ "دارالعلوم" کا دورِ جدید ہے جو ہمارے حلقہ کے مسلسل اصرار و خواہش پر از سر نو جاری کیا جا رہا ہے اور یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس دفعہ رسالہ کے مضامین کا معیار کافی حد تک بلند اور سلجھا ہوا ہے اس کی کتابت و طباعت کے لئے خاص انتظام کیا گیا ہے۔ اور دارالعلوم نے ایک مستقل عملہ اس خدمت پر مامور کیا ہے۔ ہم یہ پہلا پرچہ بڑی عجلت اور ذہنی انتشار کی حالت میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجراءِ رسالہ کی تجویز کے بعد ہمیں اپنے سہ ماہی رسالہ "کوائف دارالعلوم" کا آخری نمبر مرتب کرنا پڑا اور اس میں ہمارا کافی وقت صرف ہوا اس کے بعد موجودہ پرچہ کے لئے ڈیکلریشن، رجسٹرڈ نمبر مضامین، کتابت، طباعت اور دفتری انتظامات میں ہم دیر تک الجھے رہے، مجلس بالا نے پہلے نمبر کی اشاعت کے لئے جو وقت متعین کیا تھا وہ ہمارے طویل فرائض کے لئے بالکل ناکافی تھا لیکن ہمیں خوشی ہے کہ اس مختصر سی مدت میں مشاہیر اہل قلم نے ہماری امداد فرمائی۔ اور بہت تھوڑے سے وقت میں اپنے مضامین تحریر فرما کر ہمیں ارسال فرمائے۔

یہاں ہمیں اپنی جماعت کے تمام افراد کو خاص طور پر یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس زمانہ میں اجتماعی مقاصد کی تکمیل کیلئے صحافت سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہے جس طرح دنیا کے سات

عجائبات میں آگرہ کے تاج محل کا شمار ضروری ہے اسی طرح اس زمانہ میں اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے جو ذرائع اور وسائل موجود ہیں ان میں صحافت کا ذکر ناگزیر ہے دارالعلوم اپنے اثرات و تعلقات کے لحاظ سے بلاشبہ اس دور میں ہند و پاکستان کا سب سے بڑا دینی اور علمی ادارہ ہے۔ اور اس کا علمی اثر و فیضان شرق سے غرب تک پھیلا ہوا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ بہت سے ایسے ادارے جو اپنے جسم و جان کے لحاظ سے بہت مختصر ہیں محض اپنی شاندار صحافت کے ذریعہ اپنے حلقۂ تعارف میں اپنی سرگرمیوں کی تشہیر ہم سے بہت پہلے اور بہت تیزی کے ساتھ کر سکتے ہیں اور ہمیں چونکہ اپنی ضرورت کے لائق کوئی علمی جریدہ میسر نہیں اسلئے ہماری علمی خدمات اگر شہرت پاتی ہیں تو وہ محض اپنی طبعی قوت سے ملک و بیرونِ ملک سے آئے دن علمی، تحقیقی اور نزاعی مسائل پر علماء دیوبند سے استفسارات کئے جاتے ہیں۔ اور یہاں سے بڑی محنت و دماغ سوزی کے بعد ان کے جوابات جاتے رہتے ہیں لیکن چونکہ ہمارا اپنا کوئی ترجمان نہیں اس لئے یہ علمی جواہر پارے بجز صرف چند اشخاص کے ذوق نظر تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی اکثر تقریریں اور تحریریں اس قابل ہوتی ہیں کہ انھیں قلمبند کیا جائے۔ اور ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو، مگر اس ضمن میں بڑی سے بڑی چیزیں سامنے آئیں اور انھیں محفوظ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ پھر اس زمانہ میں جب مذاق جدید کے سیلاب عظیم نے اعتقاد صحیح اور عمل صالح کے خلاف ایک مستقل محاذ بنا رکھا ہے ہر ہر قدم پر اس کی ضرورت ہے کہ جدید و قدیم عقلوں اور نزاعی مسائل پر کامل تحقیق وضعداری اور سنجیدگی و متانت کے ساتھ اپنا مسلک پیش کیا جائے اور عامۃ المسلمین کو اعتقادی اور علمی گمراہی سے بچایا جائے۔

ہماری جماعت کو ان تمام ضروریات کا پورا پورا احساس کرنا چاہئے رسالہ دارالعلوم اس دفعہ اشاعت حق کا ایک نیا ولولہ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا ایک خاص جذبہ لے کر منظر عام پر آیا ہے۔ احباب متعلقین دینی [illegible] کی تو انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ ایک دینی اور علمی خدمت سے صریح بے انصافی ہوگی۔ اہل قلم حضرات سے استدعا ہے کہ وہ اپنے تحقیقی اور علمی مضامین سے رسالہ کو سرفراز فرمائیں یہ زمانہ باہم مجادلہ و مکابرہ کا بھی نہیں اسلئے قدیم مناظرانہ رنگ سے ممکن حد تک اجتناب کرنا چاہئے مضامین میں دیوبندی مسلک کی پوری پوری پابندی ضروری ہے۔ جو مضامین علمی تحقیق، اعتقادی حیثیت اور زبان و بیان کی سلاست کے اعتبار سے ہمارے معیار کے مطابق نہ ہونگے ہم انھیں شکریہ کے ساتھ واپس کردیں گے۔ حلقۂ دیوبند میں سینکڑوں صاحب تصانیف اہل قلم موجود ہیں ضرورت صرف اس کی ہے کہ ان میں اپنے رسالہ کی ترقی اور استحکام کا ایک غیر فانی جذبہ پیدا ہو جائے اور وہ اپنے علمی اور تحریری کمالات پر دارالعلوم کا بھی کچھ حق خیال فرمادیں۔ شعراء ہمیں صرف ایسی نظمیں ارسال فرمائیں جن میں ادب کی چاشنی بھی ہو، شاعری کی حقیقی روح اور شگفتگی ان میں موجود ہو۔ اور قوم کے لئے ان کا مطالعہ اعتقادی اور اخلاقی حیثیت سے مفید ہو سکتا ہو۔

بڑی ضرورت رسالہ کی توسیع اشاعت کی ہے، دارالعلوم سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو اس کو خیال کرنا چاہئے کہ کوئی بھی ادارہ آٹھ دس ہزار کا نقصان اس کساد بازاری کے زمانہ میں برداشت نہیں کر سکتا اگر رسالہ کے لئے کم از کم دو ہزار خریدار فراہم نہ ہو سکے تو اس کی بقاء بڑی حد تک مشکل ہو جائے گی اور اگر خریداروں کی تعداد دو ہزار سے بڑھ گئی تو رسالہ کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں یوماً فیوماً اضافہ کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ احباب خود کے خریدار بنیں اور دوسرے حضرات کو بھی خریداری کی ترغیب [illegible] پاکستان کے تمام مسلمان تقسیم کے بعد دارالعلوم سے عملاً [illegible] ہیں، پاکستان میں لاکھوں افراد علمی زندگی میں ہم سے ذہنی [illegible] ربط رکھتے ہیں۔ اور اب بجز روزمرہ کی ڈاک کے انکا اور کوئی علاقہ باقی نہیں۔ یہ حضرات اگر رسالہ کے خریدار بن جائیں اس حالت میں بھی دارالعلوم کے علمی فیوض سے وہ بہرہ ور [illegible]

اہل پاکستان اپنے مقامی [illegible] اگر ان کے یہاں کے ڈاک خانے ہندوستانی رسائل واخبارات کا چندہ منی آرڈر کی شکل میں بھیجنے پر تیار ہوں تو ان حضرات کو براہ راست ہمیں چندہ بھیجنا چاہئے۔ اور اگر ڈاک کی سہولت میسر نہ آئے تو پھر چندہ حاجی اسماعیل، ابوبکر صاحب، جمیل ٹریڈنگ کمپنی میرٹ روڈ، کراچی کو بھیجنا۔

یہاں ہمیں چند حرف رسالہ کی سالانہ قیمت کے متعلق بھی عرض کرنے ہیں اور وہ یہ کہ عام سامان طباعت اور بالخصوص کاغذ کی اس ہوش ربا گرانی کے زمانہ میں اس معیار اور اتنی ضخامت کا پرچہ چار ساڑھے چار روپے سالانہ سے کم لاگت میں تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن دارالعلوم نے محض تبلیغی فوائد کے پیش نظر رسالہ کی قیمت صرف تین روپے رکھی ہے۔ اور یہ اس امید پر کہ احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں رسالہ کے خریدار بنیں گے۔ اور خاص معاونین اپنی امدادی رقوم سے رسالہ کی امداد فرمادیں گے۔ خدانخواستہ اگر خریداروں کی تعداد آگے نہ بڑھی یا امدادی رقوم نے ان کثیر اخراجات کے سلسلہ میں سہارا نہ دیا تو صرف تین روپے میں سال بھر تک رسالہ مہیا کرنا ہمارے لئے ناممکن ہوگا۔ اور ہم مستقبل میں رسالہ کا چندہ چار یا ساڑھے چار روپے سالانہ کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ہمارے خاص معاونین

جن حضرات نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی ایما یا احقر مدیر رسالہ کی تحریک پر رسالہ کے لئے امدادی رقوم عنایت فرمائی ہیں ان کے اسماء درج ذیل ہیں۔

(١) جناب محترم غلام رسول صاحب اینڈ سنز کلکتہ ۵۰ روپے

(٢) الحاج المحترم جناب مولوی سید محمد رفیع صاحب رئیس شاہجہانپور ۵۰ روپے

(٣)

(٤)

(۵)

یہ سب حضرات ہمارے دلی شکریہ اور پُرخلوص دعاؤں کے مستحق ہیں حق تعالیٰ ان حضرات کی نیک توفیقات میں اضافہ فرماویں۔ ہمیں امید ہے کہ دارالعلوم کے دوسرے محسنین و معاونین بھی ان حضرات کی پیروی فرمادیں گے اور جلد از جلد دفتر رسالہ کو اپنی امدادی رقوم عنایت فرماکر دارالعلوم کو مالی نقصان سے محفوظ رکھنے کی سعی کریں گے۔

"آئندہ پرچے کے مضامین"

آئندہ پرچہ کے لئے مندرجہ ذیل نظم و نثر کے مضامین دفتر میں موصول ہو چکے ہیں۔

(١) اسلام اور فرقہ واریت — حضرت مہتمم صاحب کی تقریر کی دوسری قسط

(٢) مجالس الشیخین — مولانا مناظر احسن صاحب کے مضمون کی دوسری قسط

(٣) دنیا کو اسلام سے کیونکر روکا گیا — حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا مضمون

(٤) عہد فاروقی میں مالیاتی نظام — مولانا شبیر الحق بحری آبادی

(۵) دنیا کی قوموں میں مسلمانوں کا درجہ — مولانا شرافت علی پھلواروی

(٦) ایک عجیب وغریب کتاب — مولانا محمد سالم دیوبندی

(٧) کام کی باتیں (نظم) — حضرت ماہر القادری بدایونی

(٨) دارالعلوم دیوبند (نظم) — حضرت یحییٰ اعظمی

(٩) "انسان" (نظم) — جناب الم مظفر نگری

"مولانا مناظر احسن کے مضمون کا بقیہ"

مغلوب ہو کر بحر رحمت میں آدمی معدوم ہو جاتا ہے، مگر یہ میت معدوم یہ ہے کہ سارے موجودات اس کے مملوک ہو جاتے ہیں ؎

ملکہ والی گشت موجودات را ١٣١١ — بے گماں و بے نفاق و بے ریا
بے مثال بے نشان و بے مکاں — بے زمان بے چین و بے چناں

(الحاصل اختیار ناقص چکھنے کے لئے ملا، چاہے اس کو بڑھاؤ چلو، گھٹاؤ، ترک اختیار اختیار کی لذت بڑھاتا ہے) اور صرف اختیار اس کی لذت کو بے اثر کر دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)

کوائف دار العلوم دیوبند

"سالانہ امتحان کی تیاری"

جمادی الثانیہ رجب شعبان کے مہینے عربی مدارس میں تعلیمی سال کے بالکل آخری مہینے ہوتے ہیں، اور ان مہینوں میں طلبہ و اساتذہ کو کافی مشغولیت رہتی ہے۔ چنانچہ دار العلوم میں بھی اس وقت درس و تدریس کی رفتار پوری تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ اخیر رجب میں انشاء اللہ سالانہ امتحان شروع ہوگا جو اخیر شعبان تک جاری رہے گا۔ اساتذہ امتحان سے قبل کتابیں ختم کرا دینے کے لئے اسباق میں زیادہ وقت صرف کر رہے ہیں۔ حضرت مخدوم و محترم مولانا مدنی مدظلہ بھی درس بخاری شریف میں مشغول ہیں۔ طلبہ نے امتحان کی تیاری شروع کر دی ہے۔ طلبہ کو دن بھر درس کی مشغولیت ہے اور رات کو نودرہ مسجد اور مسجد کے بالائی حصہ میں طلبہ کی بڑی تعداد بجلی کی روشنی میں تکرار و مطالعہ کرتی نظر آتی ہے۔ حق تعالیٰ اساتذہ و طلبہ کی ان محنتوں کو بار آور فرما دیں، اور ان کا علم و عمل ملت کے حق میں مفید ثابت ہو۔

"حضرت مہتمم صاحب کے سفر"

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے اس دوران میں متعدد تبلیغی سفر فرمائے جن میں قابل ذکر سفر کلکتہ کا تھا۔ کلکتہ کے قریب "مگراہاٹ" میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تبلیغی جماعت کا اجتماع تھا جس میں اندازاً ۳۰، ۴۰ ہزار اشخاص نے شرکت کی۔ مولانا محمد عبد الحق صاحب ذمہ دار جماعت تبلیغ کی خاص دعوت پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ مع مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ ۲۱ جمادی الثانیہ کو کلکتہ تشریف لے گئے اور ۲۶ کی صبح کو بروقت دیوبند پہونچنے کے لئے کلکتہ سے ہوائی جہاز سے دہلی واپس آئے اور ۲۷ کی شب میں دیوبند پہونچ گئے۔ کلکتہ اور مگراہاٹ میں جناب غلام رسول صاحب نے حضرت مہتمم صاحب کی میزبانی فرمائی۔ اور اپنے حسن خلق اور مہمان نوازی کا خاص نقش حضرت مہتمم صاحب کے قلب پر چھوڑا۔ مگراہاٹ کے عظیم الشان اجتماع کے علاوہ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے اساتذہ کے ایک اجتماع میں بھی آپ شریک ہوئے جو صرف حضرت مہتمم صاحب کے اعزاز میں بلایا گیا تھا۔ مدرسہ عظمتیہ کلکتہ کے ذمہ دار حضرات نے اپنے یہاں حضرت مہتمم صاحب کو بلایا اور اپنے مدرسہ کا معائنہ کرایا۔ الحمد للہ حضرت ممدوح کا یہ سفر تبلیغی مقاصد کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔

"جمعیۃ الطلبہ کا سالانہ جلسہ"

جمعیۃ الطلبہ کا سالانہ جلسہ ۱۸، ۱۹ جمادی الثانیہ کو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے علاوہ تمام اساتذہ کرام نے شرکت فرمائی اور طلبہ بھی شوق و رغبت سے جلسہ کی متعدد نشستوں میں شریک رہے۔ مولانا نعمانی کی صدارتی تقریر اس جلسہ میں اپنے اثر و تاثیر کے لحاظ سے بہت پسند کی گئی۔ مولوی تقدیر احسن صاحب گونڈوی متعلم دار العلوم اس جلسہ کے صدر استقبالیہ تھے انھوں نے بھی اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ضروری مسائل پر بحث کی۔ جلسہ کا انتظام اور اس کی تقریریں اور ساری کارروائی ذمہ داران جمعیۃ کی مخلصانہ محنت و جد وجہد کا ثبوت پیش کرتی تھیں۔

"امدادی عطیات"

اس دوران میں دار العلوم کو جنوبی افریقہ سے متعدد

رقوم حاصل ہوئیں۔

(۱) مورخہ ۱۴ جولائی ۶۶ھ کو جنوبی افریقہ کے مشہور مخیر تاجر حاجی احمد موسیٰ سالوجی صاحب نے مبلغ ۶۶۰/۱۴ کا ڈرافٹ ارسال فرمایا۔

(۲) ۲۰ جولائی ۶۶ھ کو صاحب موصوف ہی نے ۶۶۰، کا ایک اور ڈرافٹ بھیج کر اپنی فیاضی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیا۔ حق تعالیٰ حاجی صاحب ممدوح کو دارین میں اجر عظیم عنایت فرمادیں۔

(۳) ۱۱ جولائی ۶۶ھ کو ہمارے محسن قدیم حاجی محمد ابن حاجی اسمٰعیل مفتی صاحب نے نیلسپروٹ سے ۵۰، کا ڈرافٹ بمد زکوٰۃ بھیجا۔ آں مکرم ہمیشہ دارالعلوم کی امداد فرماتے رہتے ہیں اور آپ کا دل دارالعلوم کی محبت و ہمدردی سے لبریز ہے۔ جزاکم اللہ

"ڈاکٹر میر ولی الدین کے مضمون کا بقیہ"

باطل اور کفر ہے اسی مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جس طرح حق تعالیٰ کی عرش پر فوقیت بلاکیف ہے یعنی اتصال و انفصال، مسافت بعد و فاصلے وغیرہ سے منزہ اور پاک ہے

(۲) اسی طرح حق تعالیٰ کا قرب و معیّت بلاکیف ہے یعنی حلول و اتحاد و اختلاط سے مبرّا ہے۔

لہٰذا صفت فوقیت و صفت قرب پر بلاکیف ایمان لانے کے بارے میں صوفیہ کرام و علمائے راسخین فی العلم کے نزدیک کوئی تناقض نہیں۔ ہم حق تعالیٰ کی سب صفات پر ایمان لاتے ہیں آمنا باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ۔ اور ان کی حقیقت و ماہیت کے علم کو ان ہی کی طرف تفویض کرتے ہیں آمنا بہ کل من عند ربنا۔

آئینہ حیرت

(از حضرت عبد المجید حیرت)

وہ پلایا کسی نے بادہ ہے
بزم کی بزم سر نہادہ ہے

کس کو معلوم تھا کہ یہ بیداد
پہلے ہی سے قرار دادہ ہے

آج بھی تو خدا کے بندوں کو
فکر منزل نہ فکر جادہ ہے

پھر وہی گفتگو ہے لاطائل
پھر اسی بات کا اعادہ ہے

نہ عزیزوں سے مشورہ ہے کوئی
نہ بزرگوں سے استفادہ ہے

سب کی یکساں کرے پذیرائی
کس کا دل اسقدر کشادہ ہے

آگئے پھر کسی کی باتوں میں
دل ہمارا ابھی کتنا سادہ ہے

جان ہی سے کوئی گزر جائے
کیا یہی آپ کا ارادہ ہے

آج دل پھر بہت پریشاں ہے
آج تکلیف پھر زیادہ ہے

گرمیوں میں بھی جسم اطہر پہ
سردیوں کا وہی لبادہ ہے

ایک بس اس کی ذات ہی حیرت
عالم الغیب والشہادہ ہے

مقالات

اسلام اور فرقہ واریت

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے گذشتہ دنوں جمعیتہ علماء آسن سول کے ایک جلسہ میں موجودہ فرقہ وارانہ رجحانات کے متعلق ایک تقریر فرمائی تھی جس میں اسلام کی تعلیمات اتحاد وانسانیت کا ذکر فرماتے ہوئے اس دور کے نسلی، قومی اور وطنی اختلافات وتعصبات پر منصفانہ تنقید کی تھی، اور اتحاد فات البین کے سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات اور اس کے عمل کو واضح فرمایا تھا۔ ہماری درخواست پر حضرت ممدوح نے اپنی اس تقریر کو قلمبند فرما دیا ہے جس کی پہلی قسط ہم اس نمبر میں شائع کر رہے ہیں، اس تقریر کی دوسری قسط بھی انشاء اللہ اپنی جگہ ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے پیش کیجائیگی

(مدیر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

ارشاد ربانی ہے

یا ایھا الناس انا	اے لوگو ہم نے تمہیں ایک
خلقناکم من ذکر	مرد اور ایک عورت سے پیدا
وانثی وجعلناکم	کیا ہے، اور تمہیں شاخ در شاخ
شعوبا وقبائل	اور خاندانوں میں اس لئے بانٹ
لتعارفوا ان اکرمکم	دیا ہے کہ تم آپس میں متعارف
عند اللہ اتقاکم	رہو باعزت وکرامت تم میں وہی
ان اللہ علیم	ہے جو عند اللہ صاحب تقویٰ
خبیر۔	و پرہیزگار ہے۔

بزرگو اور دوستو! جمعیتہ العلماء آسن سول کے اس پلیٹ فارم سے اب تک مختلف مقرروں نے جو مقاصد حیاۃ پیش کئے ہیں میں اُن سے زائد کوئی خاص بات نہیں کہوں گا۔ بلکہ بلا کم وکاست اونہی مقاصد کو دہراؤں گا جو سامنے لائے جا چکے ہیں کہ اس وقت اُن سے آگے کوئی مقصد سامنے ہے بھی نہیں۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ وہ اب تک آپ کے سامنے سیاسی زبان میں پیش کئے گئے ہیں میں اُنھیں شرعی زبان میں پیش کروں گا اوروں نے اونھیں سیاسی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے میں اونھیں شرعی دلائل سے عرض کروں گا۔ اور حضرات نے اُن کے حل کی سیاسی تدابیر بتلائی ہیں میں شرعی تدابیر عرض کروں گا۔ غرض مسائل اور مقاصد کا فرق نہ ہوگا صرف دلائل اور نوعیت کا فرق ہوگا۔

آپ اس وقت دل سے چاہتے ہیں کہ اس ملک میں ایک ہندوستانی کی حیثیت سے باعزت زندگی بسر کریں۔ اور آپ کے وہی شہری اور ملکی حقوق ہوں جو اس ملک کے باشندوں کے لئے طبعاً ضروری ہیں۔

آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس ملک میں باوجود اقلیت میں ہونے کے ایک باوقار اقلیت کی حیثیت سے رہیں جو دوسروں کے رحم وکرم پر نہ ہو بلکہ خود بھی اپنا پایہ استقلال رکھتی ہو۔ اور ہر ایک قانونی آزادی سے متمتع ہو۔

آپ اس کے بھی خواہشمند ہیں کہ اس ملک کی قوموں میں ایک شریف ہمسایہ کی حیثیت سے بسر کریں اور آپ میں کسی جہت سے بھی احساس کمتری جگہ نہ پائے

آپ کو یہ بھی طلب ہے کہ اس ملک کے عام شہریوں کی طرح آپ کو امن وامان اور رزق وروٹی بھی بسہولت میسر رہے

آپ کو یہ بھی مطلوب ہے کہ آپ اس ملک میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بھی باوقار رہیں آپ کا کلچر، تہذیب اور مذہب محفوظ رہے۔ اور آپ آزادانہ اس کے تمام احکام و اوامر بجالائیں۔

اس وقت یہی آپ کی چار حیثیتیں ہیں ہندوستانی ہونا۔ اقلیت ہونا۔ ہمسایہ اقوام ہونا اور مسلمان ہونا۔ اور ان چاروں جہتوں میں آپ عزت کا مقام چاہتے ہیں۔ اور امن ورزق کی زندگی کے متلاشی ہیں۔ اور آپ بلاشبہ اس جائز اور قانونی خواہش میں حق بجانب ہیں۔

میرے نزدیک ان پانچوں مسئلوں کا صحیح اور ٹھوس حل صرف ایک ہی ہے کہ آپ خدا کے اٹل قانون فطرت کے زیر سایہ زندگی بسر کریں۔ کیونکہ فطرۃ پر رہنے ہی میں کلی وقار و عزت اور امن وسکون ہے۔ اور خلاف فطرۃ زندگی گذارنے میں یقیناً ہر نوع کی بے عزتی بے وقعتی اور بے سکونی ہے خواہ کوئی بھی شعبۂ زندگی ہو۔ گو قانون فطرۃ ہی کا دوسرا نام اسلام ہے مگر میں نے بادل ناخواستہ اسلام کا لفظ اسلئے استعمال نہیں کیا کہ آج ملک میں فرقہ وارانہ فضا کی وجہ سے دماغوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی کا زہر پھیلا ہوا ہے۔ اور اس فضا میں جب بھی مذہب کا نام آتا ہے کہ اوس کا ملکی معاملات میں کچھ دخل ہے تو لوگوں کے ذہن فوراً ہی اوس کشیدگی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس کی گردن پر لاکھوں بندگان خدا کا خون ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نام کو بھی شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھا جانے لگتا ہے لیکن میں عرض کروں گا کہ اگر میں اسلام ہی کا لفظ استعمال کروں۔ اور پولیٹیکل معاملات میں اوس کا ذکر چھیڑوں تو آپ ڈریں نہیں۔ اسلام دنیا میں تعصبات یا فرقہ وارانہ کشیدگیاں اور دھڑے بندیاں کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ وہ ان تفرقوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ اور نہ صرف اخلاقی ہی طور پر بلکہ اصولاً اور قانوناً بھی یعنی وہ اپنی اصولی اور قانونی حیثیت میں بھی اختلاف اور جتھے بندیوں کا سرچشمہ نہیں بلکہ اتحاد ذات البین اور اس سے آگے بڑھ کر بین الاقوامی اتحاد کا پیغام لے کر آیا ہے۔ پس اختلاف خود اوس کا ثمرہ نہیں بلکہ اُس سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہے۔ فرقے بنتے ہی ہیں اوس سے ہٹ جانے اور اُسے چھوڑ بیٹھنے پر۔ اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ جب ابتداء آفرینش میں دنیا کے انسان مجھے پکڑے ہوئے

تھے تو امۃ واحدہ تھے۔ اور اُن میں کوئی فرقہ واریت نہ تھی۔ لیکن بعد میں جب انسانوں نے میری رسّی چھوڑ دی اور خود رائی پر آ گئے تو فرقے بن گئے۔ پھر بھی میرے ہی داعیوں نے اُن کی فرقہ واریت کو مٹانا چاہا۔ اور بہت کچھ مٹایا بھی مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔ اور دعوت ٹھکرا کے اپنے اُسی انتشار اور پراگندگی پر جمے رہے۔

كان الناس امةً واحدةً فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ما جاءتهم البينات بغيًا بينهم فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه والله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم

سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشخبری سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور اُن کیساتھ کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں۔ اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اُنکے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمادیویں اور اس کتاب میں اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف اُن لوگوں نے جن کو وہ کتاب ملی تھی بعد اسکے کہ اُن کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو وہ امر حق جسمیں اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

پھر انسانی ازل کی طرح انسانی ابد کے بارہ میں بھی اُسی نے دعویٰ کیا کہ دنیا بالآخر پہلے کی طرح آخر میں بھی مجھے ہی پکڑے گی۔ اور لوگ مجبور ہو کر اور ہر طرف سے تنگ آ کر میرے ہی دامن میں پناہ لیں گے تو پھر وہ امۃ واحدہ بن جائیں گے۔ اور اُن کی یہ فرقہ واریتیں مٹ جائیں گی۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا يبقى على ظهر الارض بيت مدر و لا وبر الا ادخله الله الاسلام كلمة الاسلام بعز عزيز وذل ذليل قال فيكون الدين كله لله۔

زمین کی پشت پر کوئی مٹی اور کپڑے کا گھر ایسا باقی نہ رہے گا کہ اللہ اس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ کر دے۔ خواہ عزت والوں کی عزت و شوکت سے یا ذلت والوں کی ذلتوں سے تنگ ہو کر۔ راوی نے کہا تو پھر تو دنیا میں پورا دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے گا۔ یعنی نہ کوئی فرقہ رہے گا۔ اور نہ کوئی مسلک اور ازم باقی رہیگا۔

پس ایسی نعمت کے نام سے آپ کیوں ڈرتے ہیں جو آئی ہی ہے دنیا سے فرقہ واریت کو نیست و نابود کرنے کے لئے اور اُس نے ماضی میں ایسا کر کے دکھلایا بھی ہے اور مستقبل کے لئے اسی کی پیشگوئی بھی کی ہے جو یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔

پس جبکہ آپ کا دعویٰ اور مقصد بھی فرقہ واریت کو مٹانا ہے تو آپ اسلام کی تکذیب یا اُس سے بے اعتنائی کر کے خود اپنی تکذیب کر رہے ہیں۔ اور خود اپنے ہی کو بھولتے جا رہے ہیں۔ اس لئے اُس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اُسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسلام فرقہ واریت کو ہوا تو کیا دیتا وہ تو آپ کی اس اصطلاحی جمہوریت اور عوامیت کی آخری حد کو بھی ناکافی جمہوریت بلکہ فرقہ واریت کہتا ہے۔ کیونکہ اُس کی جمہوریت

ان بناوٹی جمہوریتوں سے کہیں زیادہ بلند و بالاتر ہے آپ کے یہاں تو فرقہ واریت صرف یہ ہے کہ مذہب کے نام پر کوئی سیاسی جماعت کھڑی ہو کر پارلیمنٹری سیاست لڑائے اور اُس سے ایک ملک کے مذہبی فرقوں میں کشیدگی اور کشمکش شروع ہو جائے کہ یہ رقابت اور پھوٹ آپ کے نزدیک ملک کے لئے مضر ہے۔

لیکن اسلام کہتا ہے کہ اگر تم نے وطن کے نام پر تمام مذہبی فرقوں کو جمع بھی کر لیا، اور وہ کسی حد تک ہم آہنگ بھی ہو گئے تو جبکہ آج کل کے بین الاوطانی وسائل حیاۃ اور ہمہ گیر ایجادات و مخترعات کے دور میں کسی ملک کی سیاست بھی محض داخلی اور مقامی معاملات کی حد تک نہیں ٹھہر سکتی بلکہ امور خارجہ اور بین الاقوامی اور بین الاوطانی سیاست ہی پر جا کر رکتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جب ہر ملک اپنے مفاد کو سامنے رکھکر معاملات کا تصفیہ چاہے گا تو لامحالہ دو ملکوں کے مفادات کسی نہ کسی مرحلہ پر ٹکرا کر اُن میں باہم وطنی رقابت پیدا کر کے رہیں گے اور اس صورت میں اگر مذہبی نہیں تو وطنی فرقہ واریت نمایاں ہو جائے گی۔ جو بالآخر سیاسی کشیدگی اور جنگ و جدال پر منتج ہوگی۔

آج ہند و پاکستان میں کشمیر کا مسئلہ اور اس کی وجہ سے کشیدگی اور کشیدگی سے مختلف معاملات کی ناہمواری کون سے مذہب کے نام پر قائم ہے؟ محض وطن کے نام اور جغرافیائی مفادات اور ملکی حد بندیوں کے نام پر قائم ہے جس کے تحت ہزارہا بندگان خدا کی جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ کروڑوں روپیہ ضائع ہو چکا ہے۔ اور ہنوز روز افزوں ہے۔ آج چین اور امریکہ کی جنگ یا روس اور امریکہ کی کشیدگی جس کے تحت اربہا ارب روپیہ اور لاکھوں انسان لقمۂ اجل ہو چکے ہیں، اور ابھی صرف جنگ کی تمہید ہی سامنے آئی ہے اصل جنگ کے لئے ابھی پر ہی تولے جا رہے ہیں کون سی مذہبی فرقہ واریت کا نتیجہ ہے؟ یہ ترقی یافتہ ملک تو ملکی سیاست کے دائرہ میں مذہب کا نام لینا بھی کفر سے کم نہیں سمجھتے بلکہ محض وطنیت ہی کے بت کے سامنے ہی سر بسجود ہیں تو پھر ان میں یہ فرقہ واریت کہاں سے آگئی؟

ظاہر ہے کہ اگر فرقہ واریت دو گروہوں یا دو قوموں کے ٹکرانے کا نام ہے، اور آپ بہرصورت اُس سے بچنا اپنا فریضہ خیال کرتے ہیں تو اُس کا سبب خواہ مذہب بنے خواہ وطن یا کوئی اور چیز بہرصورت اُسے چھوڑ کر کسی اور ایسے معیار کو تلاش کریں جو اس فرقہ واریت سے بالا بالا آپ کو اتحاد دینی کی طرف لے جائے ورنہ پھر کہا جائے گا کہ آپ کو یہ دشمنی فرقہ واریت سے نہیں مذہب کے نام سے ہے ہاں اگر کوئی مذہب ہی فرقہ واریت کی تعلیم دیتا ہو یا اُس کی جمہوریت ہی میں فرقہ واریت گھسی ہوئی ہو اور تعصبات کو اُبھار کر باہمی دشمنی پیدا کر دینا ہی اُس کا نصب العین ہو یا کم از کم اُس کا خاصہ ہو تو بلا شبہ ایسے مذہب کو سلام کئے جانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے

بہرحال آپ نے تو مذہبی فرقہ واریت کو ملک سے دور کرنے کے لئے وطن کے نام پر تمام مذہبی فرقوں کو جمع کر کے اطمینان کا سانس لے لیا تھا کہ اب ملک سے فرقہ واریت جاتی رہی اور جمہوریت قائم ہو گئی لیکن اسلام نے اس جمہوریت کو بھی فرقہ واریت ہی بتلایا کیونکہ اب بھی وہی کشیدگی اور رقابت بدستور قائم رہی ایک صوبہ میں نہ سہی چند صوبجات میں باہم رہی اور چند صوبجات میں نہ سہی ایک ملک کی دوسرے ملک

سے رہی بس یہ فرقہ وارانہ کشیدگی کسی بھی نام سے ہو۔ اور کسی بھی حصۂ ملک یا حصۂ دنیا میں ہو اپنے ہلاکت خیز نتائج یقیناً اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس لئے اسلام ایسی وطنی جمہوریت کو بھی فرقہ واریت ہی کہے گا کیونکہ نتیجہ میں یہ وطنی فرقہ واریت اُس مذہبی فرقہ واریت سے کم نہیں ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ اُس کی لائی ہوئی جمہوریت دنیا کی ان جمہوریتوں سے بہت بلند اور علی الاطلاق ہمہ گیر ہے۔ اُس کا مقصد تو یہ ہے کہ دنیا میں سارے انسان بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں نہ مذہبی فرقہ واریت رہے نہ وطنی فرقہ واریت اور نہ اور ہی کسی قسم کی فرقہ واریت قائم رہے بلکہ پوری دنیا ایک ہی عالمگیر ملک اور ایک ہی فطری ہمہ گیر ازم پر آجائے۔

هوالذی ارسل	وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اُس نے
رسولہٗ بالهدیٰ و	اپنے رسول کو ہدایت اور سچا
دین الحق لیظهرہٗ	دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام
علی الدین کلہ وکفیٰ	دینوں پر غالب کر دے۔ اور
باللہ شهیدا۔	اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔

بس آپ اسلام کے نام سے ڈریں نہیں اور گھبرائیں نہیں اُس کا نصب العین اس فرقہ واریت کو ہوا دینا نہیں جو انسانوں سے انسانوں کا خون ناحق کراتی ہے بلکہ اُس کا استیصال کرنا ہے۔ اور نہ صرف ایک ہی قسم کی فرقہ واریت، کو مٹانا ہے بلکہ علاوہ دنیا میں جتنی نوع کی بھی مہلک اور خونخوار فرقہ واریتیں ہو سکتی ہیں ان سب کو ختم کرکے ایک ایسی عالمگیر جمہوریت کا فطری نظام قائم کرنا ہے جس میں ساری دنیا کے انسان مل جل کر بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں ایک نظام میں منسلک ہوں ان کی حکومت بھی عالمی ہو اور مسلک بھی عالمی۔ وہ اقوام نہ ہوں بلکہ قوم واحد ہوں۔ اور اُن کے وطن کے ٹکڑے نہ ہوں بلکہ ساری دنیا وطن واحد ہو۔ سیاست بھی ایک ہو اور دیانت بھی ایک ہو۔

اسلام نے یہ دعویٰ کیوں کیا؟ کسی عصبیت یا خوش اعتقادی کے طور پر نہیں بلکہ اپنے عالمگیر اصول کے بل بوتہ پر اُس نے عملاً ایک ایسی عالمگیر برادری کا پتہ دیا جس میں تمام انسان انسانیت کی حیثیت سے بھائی بھائی ہو جاتے ہیں اور یہ مصنوعی اونچ نیچ ختم ہو جاتی ہے جو دنیا کو مختلف رنگ کے فرقوں میں بانٹے ہوئے ہے۔ دنیا میں سب سے پہلی فرقہ واریت اور گروہ بندی نسبت کے بل بوتہ پر ہوتی ہے ایک طبقہ اپنے کو سورج کی اولاد کہتا ہے اور دوسرے کو سیاہ توے کی ایک اپنے کو خدا کے موتھ سے نکلا ہوا بتلاتا ہے۔ اور دوسرے کو پاؤں کے نیچے سے پیدا شدہ۔ اس لئے اپنے کو اونچ کہتا ہے اور دوسرے کو نیچ اُس کے پاس بیٹھنے سے عار کرتا ہے اُس کے ساتھ مل کر عبادۃ سے پرہیز کرتا ہے۔ اُس کے ہاتھ سے کھانا گوارہ نہیں کرتا اُس کے سایہ سے بھاگنا ضروری خیال کرتا ہے نسبی شرکت میں احتراز کرتا ہے۔ اور اس طرح دو قوموں میں اونچ نیچ سے چھوت چھات پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دو طبقے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا اور منقطع ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ایک نوع کے افراد ہی نہیں تھے بلکہ ایک نوع آسمانی تھی اور ایک زمینی۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھکر فرقہ واریت کا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک انسانی طبقہ دوسرے طبقہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائے اور انسانی برادری کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلک کسی ازم میں یہ اصول موجود ہو گا تو وہ جمہوریت تو کیا

جمہوریت کے نام سے بھی یہ آشنا نہ ہو سکے گا وہ انسانوں کو ملائے گا تو کیا ہمیشہ اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا رہے گا جس سے جمہوریت کے بجائے انفرادیت بلکہ انقطاعیت کے جراثیم اُن میں پرورش پاتے رہیں گے چہ جائیکہ وہ عالمی حکومت یا عالمی مسلک دنیا کے سامنے لائے۔ یہ نسبی تفوق اور اونچ نیچ انسانوں کا ایک طبعی جذبہ تھا جو دنیا میں پھل پھول رہا تھا اور دنیا ٹکڑے ٹکڑے تھی مذاہب اس سے روک رہے تھے نہ قومیں بلکہ اس کو اپنا پیدائشی حق سمجھے ہوئے تھے اس لئے اسلام نے اپنا پہلا اصول اس نسبی فرقہ واریت کو مٹا کر نسبی یکسانی پیدا کر دینا قرار دیا تاکہ دنیا کے انسان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں اور اُن میں ایک ہمہ گیر اشتراک عمل پیدا ہو اس لئے اعلان کیا یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ الخ ایک ماں باپ کی اولاد ہی کو بھائی بھائی کہا جاتا ہے۔ اور ان بھائیوں ہی کے درمیانی رشتہ کا نام اخوۃ اور برادری ہے اسلام نے ساری دنیا کے انسانوں کو اسی رشتہ اخوۃ کا پابند اور اس سے جکڑا ہوا بتلایا نہ کسی کو سورج کی اولاد کہا اور نہ کسی کو کالے توے کی نہ کسی صنعت انسانی کو خدا کے منہ سے پیدا شدہ بتلایا اور نہ کسی کو پاؤں کا پامال کردہ بلکہ سب کو ایک ماں باپ کی اولاد کہہ کر انہیں ایک دوسرے کا مساوی اور ہمسر بتلایا جن کی انسانیت میں کوئی باہمی تفاوت اور اونچ نیچ نہیں۔ غور کیا جائے تو یہ اخوۃ مساوات سے کہیں زیادہ اونچا مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ عرفی مساوات کے معنی قانون میں برابری کے ہیں یعنی قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی اونچ نیچ نہ ہوں۔ بلکہ ذات پات کی اونچ نیچ ہوتے ہوئے قانون کی مساوات زیادہ نمایاں اور قابل قدر اور قابل مدح ہوتی ہے پس مساوات سے انسانوں کی یکسانی ثابت نہیں ہوتی قانون کی یکسانی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اخوۃ کے معنی ہی عدم تفاوت کے ہیں، کیونکہ اخوۃ کہتے ہیں ایک اصل کی چند فروع کو جو ایک اصل میں شریک ہوں اور ایک ماں باپ کی اولاد سے ہوں اور ظاہر ہے کہ جب تمام انسان ایک ہی اصل کی شاخیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ٹھیرے تو اُن میں اونچ نیچ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا اگر پھر بھی وہ اونچ نیچ ہوں تو وہ ایک اصل کے باقی نہیں رہ سکتے پس اسی یکسانی برابری اور یک اصلی کا نام اخوۃ ہے اور اسی کے معنی بھائی بھائی ہونے کے ہیں پس قرآن نے اس آیت میں سارے انسانوں کو بھائی بھائی کہہ کر ایک عالمگیر برادری اور حقیقی مساوات کا سبق دنیا کو پڑھایا۔ اور اُن کے درمیان سے منافرۃ کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر پھینک دی۔ کیونکہ منافرۃ اور وحشت دو جنس یا دو نوعوں کے افراد میں ہو سکتی ہے ایک نوع کے افراد اور ایک اصل کی دو شاخوں میں وحشت اور نفرت کے کوئی معنی ہی نہیں، مجانست، موانست کی جڑ ہوتی ہے نہ کہ منافرۃ کی۔

پھر قرآن نے تو دنیا کے سارے انسانوں کو بھائی بھائی ہی بتلایا تھا جس سے اُن سب کا یک اصل ہونا واضح ہوا تھا حدیث نبوی نے اور آگے بڑھ کر ان سارے انسانوں کو یک جوہر بھی ثابت کیا ہے، ارشاد ہوا۔

کلکم بنو آدم و آدم من تراب۔	تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو یعنی آپس میں شریک بھائی ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں یعنی تمہارا جوہر خلقت بھی ایک ہی ہے اور وہ مٹی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب مادہ خلقت اور جوہر قوام بھی سب اقوام کا ایک ہی ہو تو عقلاً یا طبعاً اقوام عالم میں کوئی وجہ نفرت باہمی کی باقی نہیں رہتی۔ بلکہ پیوستگی باہمی کی بھی انتہائی حد آجاتی ہے جس سے ایک کے درد کا دوسرے کو محسوس کرنا امر طبعی ہو جاتا ہے شیخ سعدی نے اسی حقیقت کو نظم کا لباس پہنایا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ۔ کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار ۔ دگر عضوہا را نماند قرار

پس جو قومیں انسانوں کو یک جوہر یا یک اصل نہیں بتلاتیں وہ دنیا میں کبھی بھی حقیقی جمہوریت کی علمبردار نہیں ہو سکتیں جس کے یہاں انسانوں کا کوئی طبقہ سورج کی اولاد ہو۔ اور کوئی پیروں کی مٹی سے پیدا شدہ ہو اُن کے یہاں اونچ نیچ ہی نہیں چھوت چھات بھی لازم ہو گی۔ جن کے یہاں گورے کو کالے پر پیدائشی تفوق ہو۔ اور رنگ روپ اُن کے یہاں مابہ الفرق ہو جن کے یہاں انسانوں کی کوئی ایک اصل نہ ہو بلکہ انسان کسی جنگل میں پودوں کی مانند زمین سے اُگ آئے ہوں اُن کے یہاں باہمی جذب و کشش کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب انسانوں میں پیدائشی طور پر اونچ نیچ چھوت چھات برتری اور کمتری اجنبیت اور غیریت کی تبلائی جائے جو میل ملاپ یا اشتراک و یکسانیت اور مساوات کے پیر جمنے ہی نہ دے تو وہاں عالمگیر جمہوریت کے نام لینے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے۔ اور پھر بھی لیا جائے گا تو وہ دنیا کو دھوکہ دہی ہو گا جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہو گا۔ یورپ عالمگیر جمہوریت کا دعویدار ہے۔ اور اس نے بلاشبہ تمدنی وسائل کو عالمگیر بنا ہی دیا ہے مگر پھر بھی وہ عملاً اُسے چلا نہیں سکتا کیونکہ وہاں کالے گورے کا فرق اور خون و نسب کی جوہری تفریق کا جذبہ موجود ہے اور وہ کسی ایسے ازم اور مسلک پر اعتقاد نہیں رکھتا جو اُن کی روحوں اور دلوں میں حقیقی عالمگیری اور انسانی یکسانیت کا جذبہ پیدا کر دے اس لئے اُس کا دعوی جمہوریت محض سیاسی سودا کی حد تک آکر رک جاتا ہے۔ اور زبانوں پر رہ کر حلق سے نیچے نہیں اترتا چہ جائیکہ کسی مخلصانہ عمل کی داغ بیل ڈالے اُن کا سب سے بڑا عملی میدان کالوں کو اپنی سیاست پر نچانا اور دعوائے جمہوریت کر کر کے انہیں نیچ اور غلام بناتے رہنے کی سعی کرتے رہنا۔ اور اپنے سیاسی منافع کے لئے اُن کے جذبات سے کھیلنا بلکہ اُن کے سکرات موت سے تفریح کرنا ہے اور بس

ہاں حقیقی طور پر وہ ازم اور مسلک دنیا کے سارے انسانوں کو مساوات کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے جو اُنھیں ایک جوہر بتلا کر ایک ماں باپ کی اولاد بتلائے اور اُن میں رشتۂ یگانگت ہی نہیں رشتۂ اخوت ثابت کر کے اُن کے باہمی تفرقوں کو مٹا ڈالے اور نسبی تفرقوں کو ختم کر دے جو انسانی جہالتوں کی ابتدائی فرقہ واریت ہے۔ اور وہ اسلام کے سوا ہمیں کوئی دوسرا مسلک نظر نہیں آتا۔

غور کیا جائے تو انسانوں میں یہ رشتۂ یگانگت و اخوۃ قائم کر کے اسلام نے مذہب ہی کا نہیں انسانیت کا احترام قائم کیا ہے۔ اور ثابت کیا کہ انسانوں کا کوئی طبقہ کسی حالت میں بھی نجس العین نہیں بلکہ وہ تو وہ اُس سے چھوئی ہوئی چیز بھی نجس بن جائے انسان انسان ہے۔ اور انسانیت اُس سے کسی حالت میں منقطع نہیں ہو سکتی اُس کے افعال میں گندگی آسکتی ہے اُس کے خیالات ناپاک ہو سکتے ہیں مگر جوہر انسان اور انسانیت کا جوہر ناپاک نہیں ٹھیر سکتا۔ اور اس انسانیت کی حیثیت سے بہر حال وہ واجب الاحترام ہی رہے گا۔

اُس کی انسانیت کبھی گندہ نہ ہوگی۔

اسی لئے شریعت اسلام میں کسی انسان کا (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) پس خوردہ ناپاک نہیں، اُس کا ہاتھ لگا ہوا تو کیا ہی ناپاک ہوتا۔ یہ وہی انسانی اخوۃ کی پاسداری اور نفس انسانیت کا احترام ہے۔ ورنہ اگر اُس کی ہاتھ لگی خشک یا تر چیز یا اُس کا پس خوردہ نجس و ناپاک اور واجب الاحتراز بن جائے تو یہ درحقیقت اُس کے اصلی جوہر کی ناپاکی اور انسانیت کے گندہ ہونے کا دعویٰ ہوگا جس سے پھر کوئی انسان بھی پاک نہیں ٹھیر سکتا حالانکہ یہ دنیا کی اقوام کے اجماع کے خلاف ہے کوئی قوم بھی علی الاطلاق تمام انسانوں کو ناپاک نہیں ٹھیرا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے حائضہ کو چھوڑ دینے یا اُس کا پس خوردہ استعمال کرنے یا اُسی کے ساتھ مل کر کھانے پینے کو ممنوع نہیں ٹھیرایا کیونکہ اُس کی یہ ناپاکی ایک حکمی ناپاکی ہے جو عبادات خاصہ کی حد تک مؤثر ہوتی ہے۔ عورت کو نجس العین نہیں بنا دیتی کہ اُس کے سایہ سے بھی احتراز اختیار کیا جائے یا جاہلیت عرب اور یہودیوں کی طرح اس زمانہ میں اُس کی جگہ کھانا پینا سب الگ تھلگ کر دیا جائے اور اُسے ایک اچھوت کی حیثیت سے پہلے انسانوں سے کاٹ دیا جائے کہ یہ براہ راست انسانیت کی توہین ہے۔

ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنے ابتدائی اصولوں میں سب اقوام عالم کو بلحاظ جوہر پاک بتلائے سب کو یک جوہر کہے سب میں برادری اور اخوۃ کا رشتہ ثابت کرے سب میں سے مصنوعی اونچ نیچ ختم کرکے اُن میں یکسانی اور برابری ثابت کرے اُن میں سے چھوت چھات مٹا کر باہمی میل جول اور معاملات کے راستے ہموار کرے وہ اقوام عالم کو ملانے والا کہا جائے گا یا اُن میں فرقہ واریت اور کشیدگیاں پیدا کرنے والا سمجھا جائے گا۔ اور آیا وہ سب کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے یا وہ جو اُن میں چھوت چھات اونچ نیچ اور تفاوت جوہر کا قائل ہو؟

پس جب بھی دنیا بین الاقوامیت کی طرف آئے گی۔ اور جب بھی وہ عالمی رشتہ اور عالمی یکانگت کا نصب العین لے کر کھڑی ہوگی تو اُس کے لئے چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے اس اصولی یک جوہریت، اور یک اصلیت کو مانے اور اُس کے ذریعہ سے اقوام میں سے نفرت باہمی اور اونچ نیچ کا خاتمہ کرے ورنہ بین الاقوامیت تو بجائے خود ہے یک قومیت کی سطح بھی ہموار نہیں رہ سکے گی، اور ایک ہی قوم میں اتنے تفرقے اور اتنی نفرتیں قائم ہو جائیں گی کہ اُن کا ایک پلیٹ فارم ایک معبد ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ میں جمع ہونا محال ہو جائے گا جیسا کہ اس قسم کی تنگ دل اقوام میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

گاندھی جی نے اس حقیقت کو سمجھا اور انہوں نے ہندوستان کی نجات بالآخر اسی میں سمجھی کہ اپنی قوم میں سے اس اونچ نیچ اور چھوت چھات کا خاتمہ کریں وہ اس جذبہ کے ماتحت صرف کہتے یا لکھتے ہی نہ تھے بلکہ عمل بھی کرکے دکھاتے تھے، اور دہلی جا کر اگر ٹھیرتے تھے تو بھنگی بستی میں ٹھیرتے تھے۔ تاکہ ہریجنوں میں سے احساس کمتری نکال ڈالیں اور اونچی جاتی کے دلوں سے احساس برتری کا خاتمہ کر دیں۔ اور مساوات کی نمود قائم ہو جائے۔ آج پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نعرہ لگا رہے ہیں کہ یا دنیا کو عالمی حکومت قائم کر لینی چاہئے ورنہ خودکشی پر آمادہ رہنا چاہئے۔ اور

اس کے لئے ضروری ہے کہ دنیا نسلی امتیازات اور شہنشاہیت
اور سرمایہ داری کو ختم کرے کیونکہ اول میں نسبی اونچ نیچ ہے ثانی
میں سیاسی اونچ نیچ ہے اور ثالث میں مالی اونچ نیچ ہے۔ اور
اونچ نیچ کبھی بھی اُنس باہمی کو برداشت نہیں کر سکتی۔

ہمیں خوشی ہے کہ آج ہر تعلیم یافتہ اور سمجھدار خواہ وہ کسی
قوم کا بھی ہو ہمہ گیری اور عالمگیری کی طرف آ رہا ہے۔ اور اس کے
لئے ہر نوع کی اونچ نیچ کو ختم کرنے پر آمادہ ہے جو اسلام کی خاص
تعلیم ہے۔ اور وہی دنیا میں اس اخوۃ و مساواۃ اور یک اصلی
اور یک جوہری کو لے کر آیا تھا۔

اس اونچ نیچ کے خاتمہ پر پھر بھی اگر فرقہ واریت۔ اور
باہمی کشیدگی نظر آتی ہے تو وہ مذہبی لائنوں سے آ رہی ہے۔ اور
اسی لئے ہر ملک کی دنیا مذہبی لائن کو سیاسیات سے ختم کرنے پر
تلی ہوئی ہے کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کا یہ فعل معقول اور لائق تحسین
ہے مگر ان ہی مذاہب کی حد تک جو یقیناً ان کشیدگیوں اور
صد انواع فرقہ وارتیوں کی تعلیم دیں یا اس کی ذمہ دار ہوں۔
لیکن جو مذہب بنیادی اور اصولی طور پر مال و دولت اور
رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لئے آیا ہی ہو فرقہ واریت
ختم کرنے اور رنگ روپ نسب و نسل دولت و مال اور رسمی
منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لئے۔ اور اس نے دنیا
کے سامنے اصول ہی وہ رکھے ہوں جن کے ہوتے ہوئے فرقہ واریت
کے جراثیم پل نہ سکیں تو اس کا کیا قصور ہے کہ اُسے بھی ملک
ملت اور ان کے معاملات سے خارج کیا جائے؟ اور اگر آپ
اُسے خارج کرتے بھی ہیں تو وہ خارج ہوتا کب ہے۔ آپ
فرقہ واریت مٹانے کے لئے جو اصول بھی اختیار کریں گے وہ
اُسی کا تو اصول ہوگا اس لئے آپ اس کا انکار کر کے بھی
اس کا اقرار کریں گے اور اُسے رد کر کے بھی اُسے قبول ہی
کریں گے۔ اگر آپ اونچ نیچ مٹائیں گے تو آپ نے عقیدۃً یا
عملاً اس کی مخالفت کب کی اور اگر آپ اخوۃ و مساواۃ کا اصول
لا رہے ہیں تو آپ دل و جان سے اسلام کی مخالفت کب کر رہے
ہیں۔ سوائے اس کے کہ زبان سے مخالفت کر رہے جو عمل سے
الگ ہو کر بولی ہی ہے تو اس کا اعتبار کیا ہے کہ وہ لائق توجہ
ہو۔ قول محض جس کے ساتھ نہ عقیدہ ہو نہ عمل ہو کیا وقعت
رکھتا ہے کہ اُسے مانا جائے۔ پس آپ اسلام کا نام لینے سے
تو ڈرتے ہیں لیکن اس کا کام کرنے سے اور اس کو ماننے سے
نہیں ڈرتے پھر ایسی چیز سے بھاگنے اور ڈرنے سے کیا حاصل
ہے جو آپ کا پیچھا نہ چھوڑے۔ اور آپ کہیں بھی بھاگ کر
جائیں وہ آپ کا پیچھا کرے۔ اور وہیں جا پکڑے پس کیا اچھا
ہو کہ آپ زبان سے بھی اس چیز کے نام سے ڈرنا چھوڑ دیں جو
آپ کے دلوں اور روحوں میں گھس چکی ہیں۔

قانونی مساواۃ

انسانوں میں انسانیت کی یگانگت
اور یک جہتی کے بعد اگر تفرقہ پھیل سکتا
ہے تو وہ قانونی تفاوت سے کہ ایک قوم کے افراد کو مثلاً ایک
عبادت گاہ میں برابری کے ساتھ جمع ہونے کا حق نہ ہو۔
قومی قانون کی کتاب کو یکساں سب کو پڑھنے کا حق نہ ہو
یکساں سننے کا حق نہ ہو۔ عبادت گاہیں مخصوص خاندانوں
کا حق قرار دے دی جائیں تعلیم گاہیں مخصوص خاندانوں کی
ملکیت ہوں۔ علم مخصوص قبائل کا ورثہ ہو جس سے ہر ایک
کو مساویانہ طور سے استفادہ کا حق نہ ہو۔ دستر خوان اور
اس کے ظروف عوام و خواص کو یکجا نہ کر سکیں۔ کچھ آئینی طور
پر شدھ ہوں اور کچھ قانوناً ملیچھ ہوں تو یقیناً ایسی قوم تفرقہ کا

خسکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب میں جہاں نسلی اور نسبی امتیازات تھے وہیں عباداتی امتیازات بھی تھے۔ حج کے موقعہ پر عام لوگ تو عرفات میں وقوف اور قیام کرتے تھے لیکن اشراف عرب کا رتبہ اس سے بالاتر تھا وہ صرف منیٰ تک پہونچ کر رک جاتے تھے۔ اور اُن کی نیپاوری شان عوام الناس کی برابری یا اُن کے دوش بدوش عبادت گذاری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ گویا قانون مذہب ہی نے اُن کو یہ امتیازی حق دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عبادت کے دائرہ میں انھیں اونچ اور دوسروں کو نیچ بنادیا تھا۔ یا جیسے نصاریٰ کے یہاں پاپائیت کے اقتدار کے دور میں حدود و قصاص اور تعزیرات چھوٹے لوگوں پر جاری کی جاتی تھیں لیکن بڑے لوگ قانون کی گرفت سے مستغنی تھے۔ گویا وہ قانون کی رُو سے اونچ تھے اور دوسرے نیچ کسی قوم میں ایک طبقہ دولت کمانے کے لئے مخصوص تھا اور ایک طبقہ اُس سے محروم ہو کر ذلیل خدمات کے لئے وقف تھا گویا ایک خلقۃً سرمایہ دار ہی بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ایک ہمیشہ نادار رہنے کیلئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان اقوام میں باہمی تفرقے ہی نہ تھے باہم شدید نفرت تھی ظلم و تحقیر کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اور حرب و ضرب باہمی کے جراثیم رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے جس سے ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے کسی وقت بھی مامون اور مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ ایک طبقہ کی زندگی اجیرن تھی گویا وہ پیدا ہی اس پستی و دنائت کے لئے کیا گیا ہے۔ اور ایک طبقہ مگن اور مطمئن تھا گویا وہ مخلوق ہی طمانیت و بشاشت کیلئے ہوا ہے۔

اسلام نے اس فرقہ داریت کو بھی نیست و نابود کرنے کا پیغام دنیا کو دیا جو قانونی اونچ نیچ سے پیدا ہوئی تھی مثلاً اُس نے کہا کہ علم کسی ایک خاندان کی میراث نہیں بلکہ بلا تفریق خاندان و نسل ضروریات دین کی حد تک علم کا طلب کرنا ہر مسلم و مسلمہ مرد و عورت پر فرض ہے۔ اور نماز ضرورت عام فرض کفایہ۔ عبادت گاہوں میں محمود و ایاز برابر ہیں۔ صفوف عبادت میں صدیق اکبرؓ اور ایک حبشی غلام یکساں ہیں حدود و قصاص اور تعزیرات میں ایک عامی آدمی اور سیدالمرسل کی بیٹی برابر ہیں اگر خدانخواستہ پیغمبر کی بیٹی بھی فعل سرقہ کی مرتکب ہو تو اُس کے ہاتھ بھی عوام کی طرح کاٹے جانے ضروری ہیں۔ حج میں دو کپڑے کا احرام شاہ و گدا کے لئے برابر ہے۔ خواہ ایک عامی ہو یا سلطان ابن سعود ہو دونوں کیلئے عرفات جانا بھی ناگزیر ہے۔ اور ایک ہی نوع کے احرام میں ملبوس ہو کر وہاں ٹھیرنا بھی لازمی ہے۔ مال غنیمت سے اگر ایک چادر کسی عامی کا حق ہے تو اُتنا ہی امیرالمؤمنین کا بھی حق ہو ورنہ شبہ پر بھی ایک بدوی فاروق اعظمؓ پر اعتراض کر سکتا ہے اور امیرالمؤمنین کو جوابدہی لازم ہے۔ قانون اسلام کی نگاہ میں سب کے حقوق برابر ہیں۔ بہرحال فرقہ داریت اور قومی تفریق کی ایک بنیاد نسبی اور نسلی امتیازات تھے تو انھیں بھی اسلام نے ختم کر دیا اور ایک دوسری جڑ قانونی امتیازات تھے اُن کی بھی بیخ کنی کر دی۔ آیت عنوان کے پہلے جملے انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ سے تو نسبی اونچ نیچ کو مٹا دیا جس کے معنی اخوۃ کے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔ اور دوسرے جملے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (تم میں بڑا وہ ہے جو خدا کے نزدیک پارسا ہے) سے قانونی امتیازات کو ختم کر دیا جس کے معنی مساوات کے ہیں یعنی جو اس قانون تقویٰ و دین پر زیادہ چلے گا وہی عنداللہ بڑا ہوگا جو اس سے ہٹا رہیگا وہی ذلیل رہیگا جس کا حاصل سب پر قانون کی یکساں پابندی اور سب پر قانون کا یکساں حکمران ہونا نکلتا ہے پس نسبی تفوق اخوۃ سے ختم ہو جاتا ہے اور قانونی تفوق مساوات سے جاتا رہتا ہے۔ اور اخوۃ و مساوات انسانی اسلام ہی کا خاص اصول ہے جو اس نے اونچ نیچ میں پھنسی ہوئی اقوام کے [illegible] کر رکھا ہے۔

قسط نمبر اول

مجالس النشخین

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مدت سے خاکسار کا یہ دستور ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے دل جب کبھی پریشان ہوتا ہے تو مثنوی معنوی یا فتوحات مکیہ شیخ ابن عربی کا مطالعہ بغیر کسی ترتیب کے شروع کر دیتا ہوں، کل سے یہ خیال ہو رہا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی حضوری میں جن باتوں سے دل متاثر ہوتا ہے ان کو روزانہ اپنے الفاظ میں قلم بند کر لیا کروں۔ اور متفرق مطالعہ سے حاصل شدہ یہ چیزیں جب کافی مقدار میں جمع ہو جائیں تو انھیں کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے یا بالاقساط کسی ماہنامہ میں شائع کرا دیا جائے۔

"مجالس النشخین" یا "دل کا چین"

بنی اس کتاب کا نام رکھتا ہوں یہی نام اس وقت قلب میں بغیر کسی قصد اور ارادے کے ڈالا گیا۔

مجلس (۱)، صفحہ ۶۵، ۳ ج ۲

بعد نماز جمعہ تاریخ ۱۰ ارمارچ ۱۹۵۰ء فتوحات کی مجلس میں حاضری میسر آئی، ارشاد ہوا۔

جنت کی زندگی میں ہر لمحہ ہمارے حواس کے آگے ان کی لذتیں نت نئی شکلوں میں پیش ہوتی رہینگی مگر دنیا میں بھی یہی حال ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ امن کی حالت مسلسل باقی رہے، درمیان میں خوف نہ پیدا ہو، حالانکہ لذت تو اسی امن میں آتی ہے جو خوف کے بعد ہو، بلکہ زندگی کے اس راز سے اگر لوگ واقف ہو جائیں کہ ہمارے سامنے ہر لمحہ نئی کیفیتیں پیش ہو رہی ہیں تو دنیا کی چیزوں سے اکتاہٹ کی کیفیت قلوب میں پیدا نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ:۔

اس میں بھی دکھ والوں کے لئے رحمت ہے ان کو اگر محسوس کرا دیا جائے کہ جس دکھ میں وہ مبتلا ہیں ہر لمحہ اس میں تجدید ہوتی رہتی ہے تو مصیبت کا احساس ان میں زیادہ شدت پذیر ہو جائے گا۔

شیخ نے پھر فرمایا کہ:۔

جہنم میں مگر دکھ سہنے والوں پر یہ راز کھول دیا جائیگا ہر آن ان کو محسوس ہوگا کہ نئے عذاب اور نئے دکھ میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ بھی ارشاد ہوا۔

یقین کی آنکھ جن کی کھل گئی ہے اور اپنی اسی آنکھ سے وہ چیزوں کو دیکھ رہے ہیں یہی عارفین کا طبقہ ہے "ان پر زندگی کا یہی دنیا دی دور آخرت والے دور کی شکل اختیار کر لیتا ہے "یں بہ ظاہر گو وہ دنیا میں ہوئے ہیں لیکن حکماً آخرت میں ہیں" اور گو مکان کے لحاظ سے دنیا میں ہیں مگر مکانۃً اور درجہ کے لحاظ سے آخرت میں ہیں۔

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد ہوا۔

فقر فضل ہے یا غنی جہل سوال ہے، کیونکہ دونوں میں

کوئی جامع ہی نہیں ہے۔ غنا صرف رب العالمین کے لئے ہی اور فقر بندے کے لئے، پس یہ سوال ایسا ہی ہے کہ کوئی پوچھے خدا افضل ہے یا بندہ،

اور فرمایا کہ:-

علم کے متعلق سوال کرنے والوں سے کہنا کہ تمہاری سمجھ سے بات اونچی ہے، صحیح نہیں ہے، سائل سوال کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس سوال کے جواب کے قبول کرنے کی صلاحیت اس میں نہ ہو، البتہ جواب مختلف سطح سے تعلق رکھتا ہے اب یہ جواب دینے والے کی قابلیت پر موقوف ہے کہ سائل کی رسائی جواب کی کس سطح تک ممکن ہے۔ شیخ نے اس سلسلہ میں اس حدیث کو پیش کیا ہے جب اعرابی نے دریافت کیا کہ جنت میں کپڑے بنے جائیں گے یا کیسے پیدا ہونگے، صحابہ ہنس پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، اور اعرابی کو خبر دی کہ جنت کے درختوں میں ایسے پھل ہوں گے جن سے بنے بنائے کپڑے نکل آیا کریں گے۔

اسی سلسلہ میں شیخ نے:-

سورہ والضحٰی کی ان آیتوں کی طرف توجہ دلائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منع کیا گیا کہ سائل کو نہ جھڑکیے۔ اس کا تعلق وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى سے ہے، شیخ نے ضالا کا ترجمہ متحیر کیا ہے۔ اور فاما الیتیم فلا تقهر کا تعلق الم یجدک یتیما سے بتایا ہے۔

۱۹ مارچ ۸۰ء گیلانی (بہار)، عارف معنوی کے دربار میں حاضری کی سعادت میسر آئی ارشاد ہوا، قصہ بیان فرمانے لگے۔ مکتب خانے میں بچہ پڑھ رہا تھا قل ارایتم ان اصبح ماءکم غوراً فمن یاتیکم بماء معین (کہو! اگر تمہارا پانی سوکھ جائے تو تمہارے لیئے بہتے پانی کو کون لائے) راستہ سے ایک فلسفی منطق باز، ذلیل و خوار گذر رہا تھا قرآنی سوال کے جواب میں بولا، کدال اور بیلچے سے کھود کر پانی کو میں نکال لوں گا یعنی سائنس کے زور سے اس مشکل کو حل کروں گا، رات ہوئی خواب میں فلسفی نے دیکھا، ایک شیر مرد سامنے کھڑا ہے، اور کھینچ کر اس کے منہ پر طمانچہ رسید کیا، ایسا طمانچہ کہ دونوں آنکھیں فلسفی کی بہہ گئیں، اور شیر مرد پوچھ رہا ہے یعنی

گفت زیں دو چشمۂ چشم ای شقی
با تبر نورے بیار ار صادقی

صبح بیدار ہونے کے بعد فلسفی کو محسوس ہوا کہ واقعی اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔

قصہ ختم ہو گیا، آگے مولانا نے فرمایا۔

چاہتا تو اس پانی کو بھی وہ واپس لا سکتا تھا۔ لیکن اس چشمہ کا پانی کدال اور پھاوڑے سے نہیں بلکہ استغفار اور توبہ کی راہ سے واپس ہو سکتا تھا، مگر افسوس کہ فلسفی استغفار و توبہ کی سائنس سے جاہل تھا یا جاہل کر دیا گیا تھا،

ارشاد ہوا۔

کہ توبہ و استغفار کا ذوق بھی ہر شخص کو میسر نہیں آتا۔ فرمایا کہ بدکرداری اور سرکشی و انکار کی سزا آدمی کو یہ ملتی ہے کہ توبہ کی راہ اس کے دل پر بند کر دی جاتی ہے

زشتی اعمال و شومی جحود
راہ توبہ بر دل او بستہ بود

فرمایا:-

نیاز و اعتقاد کی قوت میں جیسے یہ اثر ہے کہ محالات کو بھی ممکن بنا دیتی ہے، آگ باغ بن جاتی ہے بجنسہ بداعتقادی اور بدکرداری کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ سونا چھو دے تو مٹی ہو جائے اور صلح کا ارادہ کرے تو جنگ پیدا ہو۔

ہم چنیں برعکس آں انکار مرد
مس کند زر را و صلحی را نبرد

فرمایا کہ۔

زشتی اعمال و اعتقاد سے دل پتھر بن جاتا ہے پتھر کو جوت کر غلہ نہیں اگایا جا سکتا،

ہاں! شعیب جیسے پیغمبروں میں اتنا زور ہوتا ہے کہ پہاڑ کو خاک بنا دیتے ہیں، ایسی خاک جس میں کھیتی اگائی جائے سنگین دلوں کو چاہیئے کہ شعیبی رنگ کا آدمی ملے تو اپنا دل اس کے سپرد کر دیں۔

پھر فرمایا۔

فلسفی نے بھی سجدہ دعا کی تھی، مگر اس کی دعا نے "مسخ" کو کھینچ کر لائی، اچھی قابل کشت مٹی کو بھی اس نے سنگ ریزہ کا میدان بنا دیا۔ بہرحال ہر دل میں ذوق سجدہ پیدا ہو، ہر کام کی مزدوری رحمت میں ملے، یہ قدرت کا دستور نہیں، فلسفی نے جو محنت کی تھی اس محنت کا صلہ یہ ملا کہ غریب سجدے کی توفیق سے محروم ہو گیا۔

مولانا نے "پھر توبہ" کے متعلق تنبیہ فرمائی کہ "توبہ کر لوں گا" اس بھروسہ پر گناہ کا ارتکاب جو کرے گا، وہ توبہ سے محروم کر دیا جاتا ہے، فرمایا، ممکن ہے کہ اس قسم کا گستاخ آدمی گناہ کے بعد منہ سے توبہ و استغفار کے الفاظ نکالے، لیکن نہ اس کی توبہ توبہ ہے، اور نہ اس کا استغفار استغفار ہے۔

فرمایا۔

توبہ کی حقیقت اپنے ساتھ کچھ علامتوں کو رکھتی ہے جیسے بارش سے پہلے بجلی کڑکتی ہے، بادل گرجتے ہیں اسی طرح حقیقی توبہ سے پہلے توبہ کرنے والے پر گریہ طاری ہوتا ہے، چلاتا ہے، شور کرتا ہے تو غضب الٰہی کی آگ اسی توبہ کی بارش سے بجھ سکتی ہے کہ ؎

تا نہ باشد برق دل و آب دو چشم
کے نشیند آتش تہدید و خشم

فرمایا۔

بجلی کی کڑک اور بادل کے گرج میں جو بارش ہوتی ہے اسی بارش سے کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں باغ ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔

پھر مولانا کی توجہ دوسرے مسئلہ کی طرف ہو گئی۔ فرمانے لگے۔

ان ہرے بھرے کھیتوں، باغوں کو دیکھتے ہو، فاختہ کوکو کر رہی ہے، بلبل چہچہا رہی ہے، لالہ دمک رہا ہے، پھول مہک رہے ہیں ؎

از کجا آوردہ اند ایں حلہا
من کریم و من رحیم کلہا

فرمایا۔

یہ ساری لطافتیں جن کا نظارہ کر رہے ہو، کیا ہے، کسی کا پتہ دے رہی ہیں۔

آں لطافتہا نشان شاہد یست

مگر ان چیزوں پر اس نقطہ نظر سے ہر شخص کی نگاہ نہیں پڑتی، بادشاہ کو جس نے دیکھا وہی اس کی نشانیوں کو پہچانتا ہے بادشاہ دکھایا گیا تھا جس کے اندر اس کی یاد رہ گئی ہے وہی مست الست بنا ہوا ہے،

فرمایا۔

خواب میں کسی کے ایک صاحب آئے، اور بتایا کہ کل میں تم سے ملوں گا، فلاں فلاں نشانیوں سے تم مجھے پہچان لوگے، مگر اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کرنا صبح ہوئی، خواب دیکھنے والا گلی گلی کوچہ کوچہ میں ڈھونڈھنے لگا، اس کی حرکتوں پر بعضوں کو تعجب بھی ہوتا، بتائی ہوئی نشانیوں کے ساتھ جسے ڈھونڈھ رہا تھا اچانک سامنے آگیا، سامنے آنا تھا کہ لپٹ پڑا چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ دیکھنے والے متحیر تھے کہ اس غریب کو کیا ہو گیا۔ مگر ؎

ایں نشاں در حق او باشد کہ دید
آں گر دا کے نشاں آید پدید

الحاصل۔ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ "مست رو الست" کے لئے مچھلی کے لئے پانی ہے ؎

ماہی بے چارہ را پیش آمد آب
ایں نشانہا "تلک آیات الکتاب"

مچھلی پانی میں پہونچ گئی، قرآن میں بتانے والے نے اپنی نشانیاں بتائی ہیں، ان ہی نشانیوں سے اس کو جو ڈھونڈھے گا پائے گا۔

گیلانی (دیوار) ۵ اپریل سنہ ۱۹۵۰ء شیخ اکبر کی مجلس میں حاضری کی سعادت میسر آئی۔ مگر آج ان کی باتیں بہت بلند تھیں، مشاہدہ اور مکاشفہ کے فرق کو بیان کر رہے تھے۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ حسی معلومات کے علمی تعلق کو وہ مشاہدہ کہتے ہیں، اور محسوسات سے جو بات سمجھ میں آئی ہے اسی کا نام انھوں نے مکاشفہ رکھا ہے۔ مثال بھی دی ہے کہ بات سنتے ہو، بات سمعی مشاہدہ کی چیز ہے لیکن بات سے جو چیز سمجھ میں آئی ہے وہ مکاشفہ ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ

مشاہدہ کا تعلق ہمیشہ محسوسات سے ہوتا ہے خواہ کسی حس سے ہو لمسی۔ سمعی۔ بصری۔ شمی۔ ذوقی (یعنی ذائقہ) سے تعلق رکھنے والے مشاہدات رہے اور مکاشفہ کا تعلق ہمیشہ معانی سے ہوتا ہے،

پھر آگے انھوں نے فرمایا کہ۔

مکاشفہ والی چیز مشہودات کی امانت ہوتی ہے۔

پھر ان تودوا الامانات الی اہلہا وغیرہ کی شرح فرمائی کوئی خاص چیز جس کا تعلق دل سے ہو، اس مجلس میں اپنی نارسائی کی وجہ سے میسر نہ آئی، ہاں دماغی فوائد حاصل ہوئے۔

بعد مغرب حضرت مولانا کی مجلس میں حاضر ہوا ارشاد ہو رہا تھا۔ ایک دن مرتضٰی علیہ السلام سے ایک یاجی نے پوچھا اس وقت حضرت ایک کوٹھے پر تھے جو کافی بلند تھا۔ یاجی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے محافظ اور نگراں ہیں، حضرت نے فرمایا کیوں نہیں؟ بجین بلکہ آدمی جب نطفہ کی شکل میں رہتا ہے اسی وقت سے وہ بندوں کی حفاظت و نگرانی کرتا چلا آیا ہے ورنہ ان نازک منزلوں سے گذر کر آدمی کیا آدمی بن سکتا ہے۔ مناظر احسن گیلانی، تب یاجی نے کہا کہ تو پھر براہ مہربانی اس کوٹھے سے اپنے آپ کو نیچے گرائیے دیکھیں آپ کی حفاظت آپ کا خدا فرماتا ہے دعوی آپ کا مدلل ہو جائے گا۔ جواب میں حضرت مرتضٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ بے وقوف! چپ تو نے بڑی جرأت سے کام لیا کہیں اسی جرأت کے تم شکار نہ ہو جاؤ، اور اس کو سمجھانے لگے کہ

بھائی! اپنے مالک کا امتحان بندہ سے بندے کو اس کا حق کس بنیاد پر حاصل ہے۔ ارے احمق (گیج وکول) کس کا پتہ ہے کہ اپنے خالق کا امتحان لے، ہاں! خدا اپنے بندے کا امتحان لے تو وہ اس کا جائز حق رکھتا ہے۔

خدائی امتحان کے معنے یہ مطلب خدا کا امتحان سے نہیں ہوتا کہ جس چیز کو وہ نہیں جانتا امتحان کر کے اس کو معلوم کرے بلکہ ؎

تا بما ما را نمائد آشکار
کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

یعنی آدمی خود اپنے باطنی حال سے واقف نہیں ہوتا بہت سی غلط فہمیوں میں اپنے متعلق خود مبتلا رہتا ہے۔ امتحان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے باطنی حال سے وہ خود آگاہ ہو جائے تا بما، ما را نمائد آشکار، چاہتا ہے کہ خود اپنے آپ پر ہم جو کچھ ہیں ظاہر ہو جائیں۔

بہر حال حق تعالیٰ کے متعلق یہ کتنی بڑی گستاخی ہوگی کہ کوئی خدا کے سامنے کھڑا ہو کر کہے میں آپ کے فلاں حکم کو توڑتا ہوں، اور امتحان لیتا ہوں کہ آپ میں حلم کا کمال کتنا ہے؟ یہ

خیال کرکے جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یعنی خدا کے علم کو جانچنا چاہتا ہوں۔ اس کی یہ توجیہ، یا گناہ کا عذر اس کے گناہ سے بھی بڑھا ہوا پاپ ہے۔

پھر مولانا حسب عادت دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ کہ لوگ دوسروں کو جانچتے پھرتے ہیں، حالانکہ سب سے پہلے جانچنے کی چیز اپنے لئے خود ہم ہیں ؎

امتحان خود چو کردی اے فلاں
فارغ آئی ز امتحان دیگراں

پھر ارشاد ہوا۔

اپنے امتحان سے تم پر اگر ثابت ہوا کہ تم مرچ نہیں بلکہ شکر دانہ ہو، تو اسی سے تم حق تعالیٰ کے علم کا سراغ لگا سکتے ہو، یعنی اگر تم مستحق نہ ہوتے تو وہ شکر تم میں پیدا نہ کرتا۔ دانش مند آدمی کبھی موتی کو سنڈاس میں نہیں ڈالتا، اور جو عقل رکھتے ہیں وہ بھوسہ خانے میں گیہوں کو نہیں ڈالتے تو حق تعالیٰ جو حکیم و علیم ہیں تجھ میں شکر نہ پیدا کرتے۔

پھر ارشاد ہوا کہ۔

اسی طرح مرید ہو جانے کے بعد پیر کا امتحان بھی بدبختی ہے، بلکہ امتحان لینے والے کا امتحان ہو جاتا ہے کہ یقین کی دولت سے مرید خالی ہے بلکہ تمہارے اندر گستاخی جہالت وغیرہ کے جو جراثیم ہیں وہ پیر کے امتحان سے باہر نکل آتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ۔

وہ پہاڑ تولنے چلا۔ ترازو اس کو کہاں ملے گا خود اپنے آپ کو ایک پلڑے میں رکھ کر تولے گا ؎

چون نہ گنجد او بمیزان خرد
پس ترازوے خرد را بر درد

بہرحال حق تعالیٰ کے امتحان کا وسوسہ بھی دل میں کسی کے آئے تو چاہئے کہ فوراً سربسجود ہو کر گڑگڑائے روئے گڑائے پڑے رہے گا

اس گمان اور شک کی بیماری سے مجھے نجات عطا فرمائی۔

پھر مولانا نے ایک مثال بیان کی کہ حق تعالیٰ کے امتحان کا وسوسہ جس کے دل میں ہو وہ سمجھ لے کہ اس کے دین کے صحن میں خرنوب پیدا ہو گیا؟ خروب کیا؟ فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے جب مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کیا گیا کہ مسجد کی تعمیر کا کام تم سے نہیں لیا جائے گا۔ کیوں پروردگار؟ داؤد نے فرمایا۔ تمہارے نغمے پر جانیں گئی ہیں۔ جواب ملا مگر میں تو مغلوب تھا۔

اس کی شرح ہونے لگی، فرمایا کہ مغلوب تھا، معدوم تو نہیں ہوا بلکہ نسبتاً اس کو معدوم کہتے ہیں کہ اپنی خودی سے غائب ہو کر سب سے بڑی ہستی کے ساتھ وابستہ ہو گیا، مسلوب الاختیار نہیں ہوا۔ بلکہ اختیار کا جو آخری سرچشمہ ہے اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا ؎

منتہائے اختیار است خود
کاختیارش گشت اینجا مفتقد

بلکہ "بے اختیاری" کا مزہ اسی لئے آدمی کو چکھایا جاتا ہے تاکہ اختیار مطلق کی طلب اس میں پیدا ہو، جس کے حاصل کرنے کی صورت وہی ہے کہ اپنی "انانیت" کو کھو بیٹھے۔

پھر فرمایا کہ۔

لذائذ مشروبات و ماکولات کی لذت ترک لذت سے حاصل ہوتی ہے، اگر کسی کے لئے یہ چیزیں بے لذت ہو گئیں تو اسی لئے ہو گئیں کہ لذتی بن کر اس نے اتنا مزہ اٹھایا کہ ترک کا موقعہ نہ مل سکا، اسی طرح اختیار کی لذت سے آشنا ہو جانے کے بعد اگر کوئی ترک اختیار کچھ دن کرے تو اب اختیار مطلق کی لذت اس کو حاصل ہوگی۔ بجائے اس کے جو اس مجازی اختیار کو کثرت سے استعمال کرنا شروع کرے گا، تو اختیار کی لذت ہی سے محروم ہو جائے گا۔ (باقی)

طولِ امل

(از حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب مدظلہٗ)

تھوڑا عرصہ گذرا کہ القاسم والرشید دو رسالے دارالعلوم دیوبند سے اکابر دارالعلوم کی سرپرستی میں شائع ہوا کرتے تھے، ان کی ترقی قابلِ رشک تھی، ان کا آخری دور ایسا ہی ہوگیا تھا جیسا کہ شباب کے بعد پیرانہ سالی میں ہوتا ہے۔

جن مضامین نے القاسم کو اوجِ ترقی پر پہونچا کر اس کو چار چاند لگائے اُن میں حضرت مولانا الحاج المولوی حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ کا مضمون "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" بھی تھا۔

مجکو معلوم ہے کہ اہلِ اسلام تو بجائے خود بعض معتدل مزاج غیر مسلموں نے بھی اس کو پسند کیا تھا۔

یہ مضمون ابھی پایۂ تکمیل کو نہ پہونچا تھا کہ بعض صاحبوں نے رسالہ کے نمبروں سے اس کو جمع کر کے شائع کر دیا، اس مجموعہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے بہت سے ایڈیشن مختلف مطابع میں شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئے۔

مضمون بالا کی اشاعت کے زمانہ میں میں نے بھی اس مضمون کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں صرف تصویر کا ایک ہی رُخ سامنے لایا گیا ہے، اگر اس عنوان سے کہ "دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا" تصویر کا دوسرا رُخ بھی سامنے لایا جاتا تو موضوع بحث کی تکمیل ہوجاتی کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا کہ اسلام کی تدابیر پر دنیا ٹوٹی پڑتی تھی اس لئے کہ وہ قانونِ الٰہی تھا اس لئے کہ وہ فطرتِ انسانیہ کے مطابق تھا، اور اس لئے کہ انسانی تمام ضرورتوں کا کفیل اور امراضِ روحانی کا صحیح معالج تھا، لیکن اُس کی طرف آنے سے تدابیرِ قوت، جبر و قہر کے ذریعہ سے روکا گیا۔ اور اسی سلسلے میں میں نے ایک مختصر سا واقعہ بطور نمونہ پیش بھی کیا تھا۔

ناظرینِ رسالہ کی جانب سے اس کی تائید اور تاکید شروع ہوئی۔ اور سب سے اول حضرت قدوۃ العلماء مولانا الحاج المولوی اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے اس پر بسیط تحریر لکھی جس میں اعزاز العلماء کا خطاب بھی دیا، تاکید فرمائی کہ یہ مضمون ضرور پورا کیا جاوے۔ اور اگر اعزاز علی نہ کر سکے تو کوئی دوسرے صاحبِ قلم اس کی طرف توجہ فرماویں۔

میں اپنی مصروفیتوں کے باعث (اور سب سے بڑی وجہ علمی بے بضاعتی تھی) اگرچہ اس عنوان کی تکمیل نہ کر سکا، لیکن مختلف رسالوں میں اس حکم کا امتثال کرتا رہا، پھر ایک زمانہ آیا کہ یہ بھی نہ ہوسکا۔

اب کچھ عرصہ ہوا کہ میرے ایک ذی علم دوست نے حضرت ممدوح قدس سرہٗ کی آخری تصنیف "البوادر النوادر" مجکو عنایت کی اُس کا مطالعہ کیا تو اُس میں بھی اُس تائیدی و تاکیدی مضمون کو دیکھا، اپنے دل نے ملامت کی کہ اکابر کا تو یہ حسنِ ظن اور اپنا یہ حال،

مگر اس وقت کیا ہوسکتا تھا جبکہ میں اپنی عمر کے اونہتر [69] انقلابات دیکھ چکا ہوں، اور "اعمار امتی ما بین ستین و سبعین" سے متجاوز ہونے کی ہر مختصر توقع کر رہا ہوں۔

تاہم یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو شروع کر دینا ضروری ہے شاید قیامت میں یہ عذر مقبول ہوجاوے کہ میں نے شروع تو کر ہی دیا تھا، اگر پورا نہ ہوسکا تو میں معذور ہوں، چنانچہ اس کا معتد بہ حصہ ایسی حالت میں لکھ چکا ہوں کہ دارالعلوم کی طلبہ کے

فرنکفی، بوڑھاپے کا ضعف ساتھ ساتھ ہے، اور اس کے ساتھ ہی امراض کا تتابع بھی ہے۔ خیال تھا کہ اگر کسی درجہ میں پسند کیا گیا تو میرے بعد کوئی صاحب اس کو شائع کر دینگے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس انتظامیہ کے قریبی اجلاس میں طے ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کی ترقی کے پیش نظر دارالعلوم کے نام سے عزیز مکرم جناب مولوی سید ازہر شاہ صاحب کی زیر ادارت ایک رسالہ کا اجراء کیا جاوے۔

ممدوح نے اس کے مبادی فراہم کرنے شروع کر دیے۔ اور اس سلسلے میں مجکو بھی حکم دیا کہ میں بھی کچھ لکھکر ان کی خدمت میں پیش کروں۔

ممدوح حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادہ ہیں، حضرت شاہ صاحب کے علم وفضل، تقویٰ و ورع وغیرہ اوصاف کا ذکر تو وہی شخص کر سکتا ہے جس کو ان اوصاف میں سے کچھ خدا نے دیا بھی ہو، اس لئے اس کے متعلق تو مجکو کچھ عرض کرنا نہیں ہے، صرف اسی قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ ان کے علمی واخلاقی احسانات مجھ پر بہت زیادہ ہیں۔ اور مجکو اس اقرار میں کوئی مانع نہیں ہے کہ جاڑے کی کپکپا دینے والی راتوں میں بھی دو دو اور تین بجے کتاب ہاتھ میں لے کر حضرت ممدوح کے کمرہ کے سامنے پہونچ جاتا تھا، تہجد کے لئے وہ اٹھتے تھے تو کیواڑوں پر ہاتھ مار کر میں اپنی حاضری کی اطلاع ان کو کرتا تھا اور وہ اس وقت بھی کسی قسم کی گرانی کے بغیر مجکو وہ سب کچھ بتلاتے تھے جو میں ان سے دریافت کرتا تھا۔

ان احسانات کے بعد اگر عزیز مکرم مولوی سید ازہر شاہ صاحب کا حکم میرے لئے واجب الامتثال ہو تو جائے تعجب نہیں ہے، مگر اب کہ ضعف کی قوت ترقی پر ہے ان کے حکم کی تعمیل مالا یستطاع میں داخل ہے۔

عزیز موصوف کا حکم رد نہ کر سکتا تھا، اپنے عوائق وموانع تعمیل کی اجازت نہ دیتے تھے، بالآخر ان سے عرض کیا کہ "دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا" کے عنوان پر میں کچھ لکھ رہا ہوں، اگر آپ اس کو بالاقساط شائع کرنا پسند کریں تو میں پیش کر دوں، ممدوح نے اس کو بھی منظور فرمالیا، اس لئے آئندہ اشاعت میں اس کی ابتدا کرنے کا ارادہ ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہر اشاعت میں ایک بحث ختم ہو جاوے۔

ہاں آخر میں یہ گذارش بھی کر دوں کہ اہل علم حضرات اس مضمون کو دیکھنے کے بعد اگر اس کی خامیاں یا اغلاط سے مجکو مطلع فرمانے کی تکلیف گوارا فرما دیں گے تو انشاء اللہ دعاگوئی کے ساتھ ساتھ میں اپنے مسودات میں ان کی اصلاح کر لوں گا، اور اگر میں اس کی تکمیل سے پہلے ہی زندگی کے سانس پورے کر لوں تو کوئی دوسرے صاحب اس کی تکمیل کر دیں۔

محمد اعزاز علی غفرلہٗ

۱۰ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۷۰ھ

ابن ابی کے نماز جنازہ کی تحقیق

(از مولٰنا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ذلك بانهم كفروا بالله ورسوله والله لا يهدي القوم الفاسقين ۔
(سورۃ براۃ)

تو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لئے ستر بار بھی بخشش مانگے گا تو بھی ہرگز نہ بخشے گا اللہ ان کو۔ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

آیت بالا اگرچہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل واضح ہے اور اس کی تفسیر میں کوئی لفظی یا معنوی اشکال موجود نہیں ہے لیکن اس آیت سے متعلق مشہور مفسرین اور محدثین نے حضرت عمر کی جو حدیث روایت کی ہے اس کی وجہ سے آیت کی تفسیر میں سخت اشکالات پیدا ہو گئے ہیں۔

قبل اس کے کہ آیت بالا سے متعلق حضرت عمر والی حدیث کے بارے میں کچھ کہا جائے آیت بالا کا شان نزول اور اس کے پس منظر پر کچھ روشنی ڈالنی مناسب ہوگی۔

تبوک سے پہلے منافقین کی سازشیں

۹ھ ہجری رجب کے مہینہ میں جبکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاریوں میں معروف تھے منافقین اپنی خاص مجلسوں میں بیٹھ کر سرور عالم اور مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ جو مسلمان اپنی ناداری۔ بے سروسامانی اور موسم کی شدت کے باوجود رومی طاقت سے ٹکرانے کی تیاریاں کر رہے ہیں ان کے حوصلے پست ہوں۔

وحی الٰہی نے فوراً ان کی معاندانہ کارروائیوں کو بے نقاب کیا۔ اور سرور عالم اور تمام مسلمان ان سے ہوشیار ہو گئے۔

عین موقعہ پر حالات کے انکشاف کا یہ اثر پڑا کہ مسلمان اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ تیاریوں میں لگ گئے اور بالآخر سرور عالم کی قیادت میں تیس ہزار مجاہدین شام کی طرف روانہ ہو گئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ قیصر اور اس کے متبعین نے سرحد سے اپنی فوجیں ہٹالیں۔ یہ دیکھکر سرور عالم واپس تشریف لے آئے۔

رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی عظیم اخلاقی فتح نے بیرونی حملوں کے خطرات کا سدباب کر دیا تھا اب سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ ان آستین کے سانپوں کا بھی سر کچل دیا جائے جو زندگی اور موت کی کشمکش کے ہر نازک موقعہ پر اپنی مخالفانہ سرگرمیوں سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ سرور عالم کو حکم دیا گیا۔

یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم (براۃ)

اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر۔

وقتی مصالح کی بنا پر منافقین کے ساتھ اب تک زیادہ تر درگذر، اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جا رہا تھا تاکہ انھیں دین حق کو پرکھنے کا کافی موقعہ مل جائے۔ لیکن اب مزید رعایت

بے سود ہونے کے علاوہ مضرت رساں ہو سکتی تھی اس لئے یہ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ منافقوں کو مسلمانوں کے حقوق حاصل نہ ہوں گے۔ اور ان چھپے منکروں کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے گا جو کھلے منکروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

منافقین نے جب یہ دیکھا کہ وہ دنیوی مفاد سے محروم ہو گئے تو سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ساد پری دل سے اعتراف قصور کر کے استغفار کی درخواست کی۔ رحمۃ للعالمین نے بھر ان کے ظاہری حال کو دیکھ کر ان پر رحم فرمایا۔ اور ان کے حق میں استغفار کرنے لگے [1]

اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ اور سرور عالم کو بتایا گیا کہ منافقین کا آپ سے طلب مغفرت کی درخواست کرنا کسی سچی تبدیلی کی بناء پر نہیں جبکہ یہ ایک اور فریب ہی جو وہ آپ کو دینا چاہتے ہیں۔ ورنہ دراصل وہ ابھی تک خدا اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔

عبداللہ ابن ابی کی موت

تبوک سے واپسی پر مدینہ میں اتفاق سے عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کی موت کا واقعہ پیش آ گیا، باپ کے مرنے پر بیٹا سرور عالم کی خدمت میں آیا۔ اور درخواست کی کہ نماز جنازہ آپ پڑھائیں، اور اپنا مبارک کرتہ کفن میں لگانے کے لئے عطا کریں۔ اگر آپ نماز نہ پڑھائیں گے تو کوئی مسلمان نماز میں شریک نہ ہوگا۔ بیٹے کی درخواست کو حضورؐ نے قبول فرما لیا۔

اس واقعہ کے متعلق حضرت عمرؓ کی اصل روایت یہ ہے

عن عمر ابن الخطابؓ انہ قال لما مات عبد اللہ (ابو) ابی بن سلول، دعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی علیہ فلما قام رسول اللہ وثبت الیہ فقلت یا رسول اللہ اتصلی علی ابن ابی وقد قال یوم کذا کذا وکذا قال اعدد علیہ قولہ فتبسم رسول اللہ وقال اخر عنی یا عمر فلما اکثرت علیہ قال انی خیرت فاخترت، لو اعلم انی ان زدت علی السبعین یغفر لہ لزدت علیہا قال فصلی علیہ رسول اللہ ثم انصرف فلم یمکث الا یسیرا حتی نزلت الآیتان من براءۃ، ولا تصل علی احد منہم مات ابدا الی قولہ وھم فاسقون قال فعجبت بعد من جرأتی علی رسول اللہ واللہ ورسولہ اعلم (بخاری کتاب التفسیر)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو سرور عالم کو نماز پڑھانے کے لئے بلایا گیا، جب آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ کی طرف جھپٹا اور عرض کیا، یا رسول اللہ۔ کیا جناب ابن ابی کی نماز پڑھانی چاہتے ہیں حالانکہ فلاں فلاں دن اس نے یہ یہ باتیں کہی تھیں، میں ابن ابی کے اقوال تفصیل سے بیان کرنے لگا سرور عالم سن کر مسکرائے۔ اور فرمایا۔ عمر مجھکو چھوڑو جب میں نے زیادہ مزاحمت کی تو فرمایا۔ مجھے اختیار دیا گیا ہے اگر مجھے معلوم ہو گیا کہ ستر بار سے زیادہ دعاء مغفرت کرنے سے اس کی بخشش ہو جائیگی تو میں اس سے زیادہ مرتبہ کروں گا۔ بالآخر حضور نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ کچھ دیر توقف کے بعد سورۂ براءت کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں ولا تصل علی احد الخ یعنی آئندہ کسی منافق پر نماز جنازہ نہ پڑھنا بعد میں مجھے اپنے رویہ پر تعجب ہوا کہ کس طرح میں حضور کے ساتھ جرأت سے پیش آیا حالانکہ خدا اور رسول خوب جانتے تھے

جو آیت نازل ہوئی وہ پوری حسب ذیل ہے۔

ولا تصل علی احد منہم — اور نماز نہ پڑھاؤ ان میں سے کسی کی

---

[1] اسے امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۸۶ میں ابن عباس سے روایت کر کے اس سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مات ابداً ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون۔ ترجمہ

جو مر جاوے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، وہ منکر ہوے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان۔

امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ابن عمر سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے۔

اتصلی علیہ وقد نہاک ربک ان تصلی علیہ فقال رسول اللہ انما خیرنی اللہ فقال استغفر لہم او لا تستغفر لہم وسازیدہ علی السبعین

کیا آپ اس پر نماز پڑھیں گے حالانکہ آپکو آپکے پروردگار نے منع کیا ہے کہ اس پر نماز پڑھیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے تو ان کیلئے استغفار کر یا نہ کر اگر تو ستر دفعہ مغفرت طلب کریگا تو بھی اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت نہیں کریگا۔ پھر

آپ نے فرمایا، اور میں ستر مرتبہ سے زیادہ دعاء مغفرت کروں گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر منافقین کے لئے نماز جنازہ کو ممنوع سمجھتے تھے اس لئے سرور عالم کو "نہی عن الصلوٰۃ" کی طرف متوجہ کیا۔ اور سرور عالم نے حضرت عمر کے ٹوکنے پر انھیں یہ بتایا کہ آیت "استغفر لہم" میں مجھے صلوٰۃ و عدم صلوٰۃ کا اختیار دیا گیا ہے۔

اس تعارض و اختلاف نے محدثین و مفسرین کو مختلف الرائے کر دیا ہے۔ اور ہر شخص نے اپنی تحقیق کے مطابق اسے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

حدیث کی صحت سے انکار

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "حدیث عمر میں سرور عالم کی طرف آیت استغفر لہم کے متعلق جو مفہوم تخییر منسوب کیا گیا ہے اس کے سمجھنے میں لوگوں کو سخت اشکالات پیش آئے ہیں، چنانچہ محدثین کی ایک جماعت نے حدیث مذکور کی صحت سے انکار کر دیا ہے۔ قاضی ابو بکر باقلانی کہتے ہیں۔

لا یجوز ان یقبل ہذا ولا یصح ان الرسول قالہ۔

تقریب میں لکھتے ہیں۔

ہذا الحدیث من اخبار الاحاد لا یعلم ثبوتہا۔

اسی طرح امام الحرمین نے اپنی مختصر میں اور امام غزالی نے المستصفیٰ میں اور اس حدیث کے شارح داؤدی نے حدیث کو غیر صحیح۔ اور غیر محفوظ کہا ہے۔

اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک آیت مذکور میں "او" تسویہ کے لئے اور "سبعین" کا عدد مبالغہ کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو استغفار کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ پس ان کے نزدیک حضور کی طرف اختیار بین الصلوٰۃ و عدمہ کو منسوب کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

او کو تسویہ پر حمل کرنے والے مثال کے طور پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں جو ابن ابی کی نماز کے واقعہ کے بعد[1] نازل ہوئی تھی

سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم ان اللہ لا یہدی القوم

برابر ہے ان پر تو معافی چاہے ان کی یا نہ معافی چاہے ہرگز نہ معاف کرے گا ان کو اللہ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان

---

[1] اگرچہ عام روایات سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی کی نماز پڑھنے کے بعد آیت "ولا تصل علیہم" نازل ہوئی لیکن عبد الرزاق نے معجم میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں ہے۔

لما نزلت استغفر لہم او لا تستغفر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لازیدن علی السبعین فانزل اللہ تعالیٰ سواء علیہم استغفرت لہم الخ

جب آیت استغفر لہم الخ نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا۔ میں ستر سے زیادہ دفعہ استغفار کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے آیت "سواء علیہم" الخ نازل فرمائی۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اسکے رجال ثقات ہیں اسلئے ہو سکتا ہے کہ دونوں آیتیں ساتھ ہی نازل ہوئی ہوں۔

الفاسقین دوست منافق لوگوں کو

حضور وحی الٰہی کے سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اس لئے آپ پر یہ مفہوم کیسے مخفی رہ سکتا تھا۔ اور آپ سازیدن علی السبعین کیسے فرما سکتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ "سبعین" سے عدد معین مراد لے رہے تھے۔ حالانکہ یہ استعمالات عرب کے بالکل خلاف ہے۔

بعض معترضین نے یہ بھی کیا ہے کہ حضور آیت سے خیار بین الصلوٰۃ وعدمہ پر کیسے استدلال کر سکتے تھے جبکہ ہجرت سے پہلے ابوطالب کے واقعہ میں حضور کو یہ ہدایت کی جا چکی تھی۔

ماکان النبی والذین	لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں
امنوا ان یستغفروا	کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی
للمشرکین ولو کانوا	اور اگرچہ وہ ہوں قرابت والے
اولی قربیٰ من بعد	جبکہ کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں
ماتبین لھم انھم	دوزخ والے۔ اور بخشش
اصحاب الجحیم وما	مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ
کان استغفار ابراھیم	کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ
لابیہ الا عن موعدۃ	کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا
وعدھا ایاہ فلما	اس سے پھر جب کھل گیا
تبین لہ انہ عدو	ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا
للہ تبرأ منہ	تو اس سے بیزار ہو گیا۔

آیت مذکورہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو جو ہدایت کی ہے اس کی مزید وضاحت شان نزول کی حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے۔

> سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کی۔ حالانکہ وہ مشرک تھے۔ بس میں بھی ابوطالب کے لئے استغفار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ مجھے منع کر دے یہ سن کر صحابہ کرام نے کہا۔ ہم بھی اپنے باپ دادوں کے لئے دعاء مغفرت کریں گے۔ جیسے ہمارے نبی نے اپنے چچا کے لئے استغفار کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فتح الباری کتاب التفسیر)

اس کا جواب بعض کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ آیت مذکورہ میں اس استغفار سے منع کیا گیا جس کے قبول ہونے اور نافع ہونے کی امید کی جائے۔ لیکن ابن ابی کے لئے آپ نے جو استغفار کیا اس کا مقصد محض اس کے قبیلہ کو خوش کرنا تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ یہ جواب میرے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے

امام رازی کی رائے

امام رازی نے آیت ولا تصل الخ کی تفسیر میں حدیث عمر بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور اس کے بجائے حضرت ابن عباس کی روایت بیان کی ہے۔ جس میں ابن ابی کی موت کا واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

> جب عبداللہ ابن ابی بیمار پڑا تو سرور عالم اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت ابن ابی نے حضور سے درخواست کی کہ آپ میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔ اور میری تدفین میں شرکت فرمائیں پھر اس نے آپ سے کرتہ طلب کیا۔ تاکہ اسے کفن میں لگائے۔ آپ نے اپنا اوپر پہنے کا کرتہ دیدیا۔ اس نے اسے واپس کر دیا۔ اور وہ کرتا طلب کیا جو آپ کے جسم سے ملا ہوا تھا یعنی نیچے کا۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس گندے پلید کو اپنا مبارک کرتہ کیوں عطا فرما رہے ہیں۔
> حضور نے فرمایا۔ میرا کرتا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ ہاں یہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ ایک ہزار آدمیوں کو اسلام میں داخل فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ منافق لوگ جو آخری وقت میں اسے ہر وقت گھیرے بیٹھے رہتے تھے ان میں سے اسی روز ایک ہزار کے قریب سچے دل سے مسلمان ہو گئے جب انھوں نے یہ دیکھا کہ عبداللہ ابن ابی

آخری وقت میں حضور کا کرتا مانگ رہا ہے۔ اور اسے اس کرتے سے نفع پہنچنے کی امید ہے۔

پس جب ابن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا حضور کے پاس آیا۔ اور اپنے باپ کی درخواست یاد دلائی، آپ نے فرمایا، جاؤ۔ اس کی نماز پڑھو۔ اور اسے دفن کر دو۔ بیٹا بولا۔ حضور! اگر آپ اس کی نماز نہ پڑھائیں گے کوئی مسلمان بھی شرکت نہ کرے گا۔ یہ سن کر آپ کھڑے ہو گئے تاکہ اس کی نماز پڑھیں۔ پس یہ دیکھ حضرت عمر حضور کے اور قبلہ کی بیچ میں حائل ہو گئے تاکہ آپ نماز نہ پڑھائیں۔ یہ ہو ہی رہا تھا کہ آیت "لا تصل" نازل ہوئی۔ اور حضرت جبرئیل نے آپ کا کرتہ پکڑ کر فرمایا۔ ولا تصل علی احد منهم الخ

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

واعلم ان هذا ايدل	واضح ہو کہ یہ بات حضرت عمر کی
على منقبة عظيمة	فضیلت پر دلالت کرتی ہے
من مناقب عمر و	کیونکہ وحی الٰہی حضرت عمر کی
ذالك لان الوحي	رائے کے مطابق نازل ہوئی۔
نزل على وفق قوله	(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۰۸)

لیکن امام رازی نے جس حدیث پر اس تفسیر (نماز نہ پڑھنے) کی بنا رکھی ہے، چونکہ اسے حافظ ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے۔ اس لئے صحیح حدیث (حدیث عمر) کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف سے تفسیر کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ ابن کثیر سورہ تو

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ منافقین کے لئے استغفار کے بارے میں جتنی سخت رائے رکھتے ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تبوک سے واپسی کے بعد جب بعض منافقین نے حضور سے استغفار کی درخواست کی تو ابن عباس کی روایت کے مطابق آپ نے اسے قبول فرما لیا۔ اور ان کے حق میں استغفار فرمانے لگے اس کے بعد آیت استغفر لهم او لا تستغفر لهم نازل ہوئی اور حضور کو بتا دیا کہ آپ کا استغفار ان کے حق میں بے سود ہے لیکن امام رازی نے ابن عباس کی حدیث سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ حضور نے صرف استغفار کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ آپ کو اس سے روک دیا گیا۔

پھر انکار کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) منافق کافر ہوتا ہے۔ اور کافر کے لئے استغفار جائز نہیں ہے۔

(۲) استغفار صرف اسی شخص کے حق میں مفید ہوتا ہے جو معصیت پر مصر نہ ہو لیکن منافق مصر ہوتا ہے۔

(۳) منافقین کے لئے استغفار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں معصیت و نفاق پر جری کیا جا رہا ہے۔

(۴) ایسی صورت میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، قبول نہ ہونے کا خدا تعالیٰ نے اعلان کر دیا تھا پھر آپ کا دعا کرنا آپ کے منصب جلیل کی اہانت تھی جس کا ارتکاب آپ کی طرف سے جائز نہیں ہو سکتا۔

(کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۷۶)

معلوم ہوا کہ امام رازی ابن ابی کی موت کے بارے میں حدیث عمر کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔ اور حضرت عمر کے منع کرنے اور مزاحمت کرنے کو ان کے اجتہاد پر مبنی سمجھتے ہیں جس اجتہاد کی بعد میں وحی الٰہی نے تصدیق فرمائی۔

علامہ زمخشری کی رائے

زمخشری اس بات کے تو قائل ہیں کہ سرور عالم نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ لیکن وہ اسے صحیح نہیں مانتے کہ آپ نے آیت سے امر تخیری اور سبعین سے عدد معین مراد لیا۔ رہا یہ سوال کہ پھر آپ نے نماز کیوں پڑھی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے زمخشری کہتے ہیں۔

سرور عالم افصح العرب تھے۔ اور اسالیب کلام اور تماثیل عرب کا آپ سے زیادہ کوئی جاننے والا نہ تھا اس لئے آپ پر یہ حقیقت کیسے مخفی رہ سکتی تھی کہ سبعین کا عدد تکثیر (مبالغہ) کے لئے ہے پس آپ نے

حضرت عمر کے منع کرنے کے باوجود ابن ابی کی موت پر جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا وہ صرف اظہار رحمت و رافت کے طور پر تھا اور اس لئے تاکہ امت بھی اس سے سبق لے جیسے کہ حضرت ابراہیم نے گناہ گاروں کے بارے میں فرمایا تھا۔

فمن تبعنی فانہ منی	سو جس نے پیروی کی میری سو
ومن عصانی فانک	وہ تو میرا ہے۔ اور جس نے میرا کہنا
غفور رحیم۔	نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے گناہ گاروں کو خدا تعالیٰ کی غفاری اور رحمت کے سپرد کر کے رحمت و شفقت کا اظہار فرمایا۔ اور لوگوں کے لئے رحمت کا اسوۂ حسنہ چھوڑا۔ اسی طرح آپ نے بھی ابن ابی کی نماز پڑھ کر شان رحمۃ للعالمین کا اظہار فرمایا۔ زمخشری کی اس توجیہ پر ابن المنیر نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر بقول زمخشری آیت کا وہی مطلب ہے جو حضرت عمر نے سمجھا تو پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا تھا کہ حضور محض مصلحت کی وجہ سے وحی الٰہی کو چھوڑ دیتے۔ جبکہ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو بتا چکا تھا۔

ان اللہ لا یغفر ان	اللہ تعالیٰ شرک کی مغفرت
یشرک بہٖ	نہیں کرے گا۔

پس منافقین کی مغفرۃ محال ہے۔ اور محال کی طلب رسول سے صادر نہیں ہو سکتی۔

حضرت تھانوی کی توجیہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث عمر کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ اور اختیار کی ایسی توجیہ کی ہے جس سے اختیار اور نہی کے درمیان تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اصل میں یہ صیغہ تسویہ کے لئے ہے۔ نہ اس سے نہی مفہوم ہوتی ہے نہ امر تخییری یا غیر تخییری بلکہ امر و نہی کے لئے دلیل خارجی کی ضرورت ہوتی ہے

اب دلیل خارجی کی نسبت رائے کا اختلاف ہوا حضرت عمر نے تو یہ سمجھا کہ لن یغفر اللہ لہم سے اس فعل (استغفار) کا عبث ہونا معلوم ہوتا ہے اور عبث کا صدور اسے حکیم کی شان کے اعتبار سے ممنوع ہے۔ اس لئے نہاک ربک ان تصلی علیہ کہا اور حضور کی نظر میں چونکہ اس میں کچھ حکمتیں تھیں چنانچہ درمنثور میں قتادہ سے بروایت ابو الشیخ آپ کا ارشاد مروی ہے۔

وما یغنی عنہ قمیصی	یعنی میرے کرتے سے اس کو نجات
واللہ انی لارجو ان	نہیں ہو سکتی لیکن مجھکو امید ہے
یسلم بہ اکثر من	کہ اس بات کو دیکھکر کہ بڑے
الف من بنی الخزرج	بدخواہیوں کے ساتھ ایسی شفقت

اور لطف فرمایا جاتا ہے) ایک ہزار سے زیادہ بنی خزرج کے آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔

اس حکمت کے اعتبار سے آپ نے اس کو عبث سے خارج سمجھ کر امر تخییری کے مقتضا پر عمل فرمایا پس نہ حضرت پر اشکال رہا اور نہ آپ پر۔ آگے نہی عن الصلوٰۃ (ولا تصل علی احد الخ) کے نازل ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں لیکن ممانعت کی وجہ یہ ہوئی کہ گو اس میں وہ مصالح ضرور تھے لیکن آئندہ مفاسد مرتب ہونے مثلاً مخالفین کو زجر نہ ہوتا اور موافقین کا دل نہ بڑھتا کہ یہاں تو سب مساوی ہیں۔ وغیرہ ذالک۔ (بیان القرآن جلد ۴ صفحہ ۱۴۲)

امام رازی کی تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور کی یہ

لہ اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے استغفار کے عبث ہونے سے نماز کا عبث ہونا کیسے سمجھا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چونکہ صلوٰۃ کا مقصود "استغفار للمیت" ہے پس جب استغفار عبث ہوا تو نماز کا عبث ہونا ظاہر ہے یہی حضرت عمر نے سمجھا۔

امید پوری ہوئی اور بنی خزرج کے ایک ہزار منافق سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا توجیہ مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی مندرجہ ذیل تقریر سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ مولانا سورۃ توبہ میں آیت زیر بحث کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کا انتقال ہوا۔ آپ نے قمیص مبارک کفن میں دیا۔ لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھی، اور دعاء مغفرت کی۔ حضرت عمر اس معاملہ میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں، ہمیشہ کفر و نفاق کا علم بردار رہا کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔

استغفر لهم او لا تستغفر لهم الخ

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے عمر مجھکو استغفار سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے کہ ان کو معاف نہ کرے یعنی ان کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو۔ سو ان کے حق میں نہ سہی۔ ممکن ہے دوسروں کے حق میں میرا یہ طرز عمل نافع ہو جائے۔ دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعت اخلاق اور وفور رحمت و شفقت کو دیکھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اسکی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا۔ گویا اس جملہ میں حضور نے متنبہ کر دیا کہ حضرت عمر کی طرح آپ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور فرما رہے تھے۔

فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمر کی نظر "البغض فی اللہ" کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصود تھی اور نبی کریم میت کے فائدے سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدہ کا خیال فرما رہے تھے۔

(سورۃ توبہ حاشیہ مولانا عثمانی صفحہ ۲۵۸)

امام خطابی کی توجیہ

باوجود غیر مفید سمجھنے کے سرور عالم نے ابن ابی کی نماز جنازہ کس مصلحت کے ماتحت پڑھی؟ اس کی توجیہ امام خطابی نے یہ کی ہے کہ اس کا مقصد ابن ابی کے بیٹے اور اس کے قبیلہ کی دلجوئی تھا۔

ابن ابی کے بیٹے ایک مخلص مسلمان تھے جنھوں نے ایک موقعہ پر اسلام کی محبت میں اپنے باپ کی گستاخیوں پر اس کے خلاف تلوار کھینچ لی تھی۔ اس خلوص کا تقاضا تھا کہ حضور ان کی درخواست کو رد نہ فرماتے۔ خاص کر ایسی صورت میں جبکہ نماز کی درخواست کرتے وقت انھوں نے خود یہ کہا تھا "یا رسول اللہ! اگر آپ تشریف نہ لائے تو یہ بات ہم سب کے لئے ہمیشہ باعث عار رہے گی"

(ابن کثیر بروایت جابر رض)

قبیلہ کی دل جوئی کا خیال بھی ایک اہم مصلحت تھی۔ کیونکہ قبیلہ خزرج مدینہ کا ایک با اثر قبیلہ تھا۔ اور اس نے اسلام کی بڑی شاندار خدمات انجام دی تھیں۔

پس اگر آپ نماز کی صریح ممانعت کے نزول سے پہلے نماز پڑھنے سے انکار کر دیتے تو یہ انکار سیاسی اعتبار سے مناسب نہ ہوتا۔

فاستعمل احسن الامرین فی السياسة

الیٰ ان قال) ۔ اس لئے آپ نے نماز پڑھائی۔ اور آپ کے اس طرز عمل کا سیاسی اعتبار سے بہت اچھا اثر پڑا۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی نے صراحتہً ممانعت کردی۔

(فتح الباری کتاب التفسیر)

حافظ ابن حجر کی توجیہ

ان تمام توجیہات کا حاصل تو یہ ہے کہ حضور نے ابن ابی کو منافق سمجھتے ہوئے، اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس کے حق میں میرا استغفار غیر مفید ہے صرف عام مصالح کی بنار پر امر تخییری کے مقتضار پر عمل فرمایا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے جو توجیہ کی ہے اس کا منشار یہ ہے کہ اگرچہ عام منافقین کے لئے آیت استغفر لہم الخ میں حضور کو دعار مغفرت کی کھلادی ملی ہوئی تھی مگر ابن ابی کے ساتھ حضور نے جو سلوک کیا اُس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اس کی آخری حالت سے اس کے اسلام پر مرنے کا گمان ہو گیا تھا۔

آیت استغفر لہم الخ میں اگرچہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا لیکن جاھد الکفار والمنافقین الخ میں منافقین کے ساتھ جس پالیسی کے اختیار کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا اس میں منافقین کے ساتھ ہر قسم کی رعایت ختم کردی گئی تھی۔ اور منافقین نے غزوہ تبوک کی تیاریوں کے موقعہ پر اور غزوہ سے واپسی کے وقت راستہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ جو خطرناک سازشیں کی تھیں ان کی بنار پر انھیں مسلم سوسائٹی سے بالکل خارج کردیا گیا تھا۔

ایسی صورت میں رئیس المنافقین کے ساتھ اس قسم کا حسن سلوک کسی مصلحت کے ماتحت بھی جائز نہیں ہو سکتا تھا رہی بنی خزرج کے ایک ہزار منافقین کے سچے دل سے مسلمان ہونے کی مصلحت تو وہ صرف حضور کے کرتا عطار کرنے سے ہی پوری ہو گئی تھی۔ بلکہ امام رازی نے ابن عباس کی روایت کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اسلام لانے کا اصل محرک آخری وقت میں عبد اللہ کا حضور سے کرتا طلب کرنا اور حضور کے کرتے سے نفع پہنچنے کی امید کرتا تھا" فلما رأوا طلب هذا القميص و يرجوا ان ينفعه اسلم منهم يومئذ الف — پس سب سے اچھی توجیہ یہی ہے کہ حضور نے ابن ابی کی موت کو منافق کی موت نہ سمجھا بلکہ ایک مسلمان کی موت خیال فرمایا۔ اور اسی وجہ سے کفن کے لئے کرتا عطا فرمایا۔ اس کے منہ میں لعاب دہن ڈالا۔ اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ابن ابی کی آخری زندگی کا وہ واقعہ جس سے اس کی تبدیلی کا پتہ چلتا تھا۔ اور اس کے اسلام پر مرنے کا گمان ہوتا تھا یہ ہے جیسے حافظ ابن حجر نے کتاب التفسیر میں حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

جب ابن ابی کا آخری وقت ہوا تو اس کا بیٹا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے باپ کی طرف سے درخواست کی کہ آپ گھر تشریف لے چلئے۔ ابن کثیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خود بھی اصرار کیا۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ اور تشریف لے گئے، حضور نے اسے دیکھتے ہی فرمایا۔

اھلکك حب یھود — تجھے یہود کی محبت نے تباہ کردیا۔

اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں نے جناب کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ آپ میرے لئے دعار مغفرت فرمائیں نہ اس لئے کہ آپ مجھے جھڑکیں۔ اور ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ پھر اس نے یہ درخواست کی کہ آپ مجھے اپنا کرتا کفن کے لئے عنایت کردیجئے گا۔ آپ نے اس کی درخواست قبول فرمالی۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر اس کے رجال ثقات ہیں۔ اور اس کی تائید طبرانی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو روایت حکم ابن ابان حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔

جب حضور اس کے پاس پہنچے تو آپ نے اس سے گفتگو

فرمائی اُس نے عرض کیا۔ قد فہمت ما تقول ــــ جو کچھ آپ نے فرمایا میں اسے سمجھ گیا ــــ فامنن علی فکفنی فی قمیصک وصل علی ففعل ــــ پس آپ مجھ پر احسان فرمائیں، کفن میں لگانے کے لئے اپنا کرتا عطا کریں۔ اور میری نماز جنازہ پڑھیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے اُس نے مرتے وقت وصیت بھی کی کہ حضور میری جنازہ کی نماز پڑھائیں چنانچہ

ثم صلی علیہ ومشی معہ وقام علی قبرہ حتی فرغ منہ۔ — آپ نے نماز پڑھی، میت کیساتھ چلے اور اسکی قبر پر کھڑے رہے یہاں تک کہ اسکی تدفین سے فارغ ہو گئے

(ابن کثیر بحوالہ مسند امام احمد عن عمرؓ)

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر بیٹا ایک مخلص مسلمان تھا اور اسے باپ کی تمام منافقانہ کارروائیوں کا علم تھا تو اس نے حضور سے منافق باپ کی نماز کے لئے اصرار کیوں کیا؟ ــــ

حافظؒ کہتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ بیٹےؓ کو باپ کے اسلام پر مرنے اور اپنے نفاق پر نادم ہونے کا گمان تھا۔ اس لئے وہ بھی اس کے معاملہ کو ظاہر اسلام پر محمول کر رہے تھے ان کا یہ اصرار صرف باپ کے ساتھ فطری محبت کا نتیجہ نہ تھا۔

بہرحال حضور اس کے بلانے اور نماز اور کرتے کی درخواست کرنے سے سمجھے کہ اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے اور وہ اسلام پر مر رہا ہے۔ چونکہ حضرت عمرؓ اس صورت حال سے بے خبر تھے اس لئے وہ حضور کو روکتے رہے۔ اور فرماتے رہے انہ منافق ــــ حضور بھی چونکہ ان کی لاعلمی سے واقف تھے اس لئے ان کی شدید مزاحمت کے باوجود ان پر ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ بلکہ مسکرا دیئے۔

لیکن نماز پڑھنے کے بعد فوراً ہی جب آیت، ولا تصل علی احد منہم الخ نازل ہوئی اور وحی الٰہی نے بتایا ــــ انہم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون ــــ یہ سب لوگ خدا اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ اور فسق پر ان کا خاتمہ ہوا ہے۔ تو اس وقت یہ معلوم ہوا کہ ابن ابی کا نماز کی درخواست کرنا اور گھر پر بلا کر گناہوں کی بخشش کی دعا کے لئے کہنا کسی سچی تبدیلی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس میں بھی ریاکاری اور نفاق تھا۔ اور اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد مسلمان میرے سابقہ طرز عمل کی وجہ سے میرے لڑکے اور خاندان کو مطعون نہ کریں۔ اور یہ سمجھیں کہ ابن ابی اسلام پر مرا ہے۔ اور اسی وجہ سے حضور نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی ہے۔

اس تاویل پر ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ اگر حضور کو ابن ابی کے اسلام پر مرنے کا گمان تھا۔ اور اس لئے آپ کو اس کی مغفرت کی امید تھی تو پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا تھا۔

لو اعلم انی زدت علی السبعین غفر لہ لزدت علیھا یعنی اگر میں جانتا کہ ستر دفعہ سے زائد استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کرتا[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جانتے تھے کہ اس کی مغفرت نہیں ہو گی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جملہ سے آپ یقین کی نفی فرما رہے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ کو امید بھی نہ تھی۔ اگر آپ کو یقین ہوتا تو آپ ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کر لیتے، لیکن چونکہ یقین نہ تھا اس لئے آپ نے محض نماز پر اکتفا فرمایا۔

اس موقعہ پر بعض حضرات کو مجمع ابن جاریہ کے اس قول سے کہ

ما رایت رسول اللہ اطال — میں نے نہیں دیکھا کہ حضور نے
علی جنازۃ قط ما اطال — کسی کے جنازہ کی نماز اتنی لمبی

---

[1] یہ جملہ شرطیہ حضرت عمرؓ کی روایت کا ہے۔ لیکن ابن عمرؓ کی روایت میں "سازیدہ علی السبعین" جملہ خبریہ ہے۔ اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں بعض راویوں سے کچھ الفاظ رہ گئے۔ اور انھوں نے مختصر روایت کر دیا۔ دراصل یہ جملہ جملہ شرطیہ ہے

علی جنازة عبد اللّٰہ ابن ابی ۔	پڑھائی ہو جتنی لمبی ابن ابی کے جنازہ کی پڑھائی ۔

(ابن حجر بحوالہ واقدی)

یہ شبہ ہوا ہے کہ —— سازیدنّہ علی السبعین حضور کا وعدہ تھا ۔ اور آپ نے اس وعدہ کا ایفا فرمایا نماز کو طول دینے کی یہی وجہ تھی ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے سازیدنّہ قضیہ شرطیہ بصورت خبریہ ہے ۔ اس لئے اسے وعدہ نہیں کہا جا سکتا ۔ رہی یہ بات کہ پھر آپ نے نماز کیوں لمبی پڑھائی تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس سے ابن ابی کے قبیلہ کی دلجوئی مقصود تھی ۔

اس سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور نے ابن ابی کی نماز جنازہ کا ارادہ کیا تو اسی وقت وحی الٰہی نے حقیقت حال سے اپنے رسول کو کیوں نہ آگاہ کر دیا ؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اُستاد حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے اس کی حکمت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

اس واقعہ سے ایک حقیقت کی طرف اشارہ مقصود تھا ۔ اور وہ یہ کہ کوئی توسل اور تبرک ایمان کے بغیر فائدہ نہیں پہنچا سکتا ۔ اس سے زیادہ رحمت اور مغفرت کا سامان کیا جمع ہو سکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین امام ہیں ۔ صحابہ کرام مقتدی ہیں ۔ سب ملکر ابن ابی کے لئے دعا مغفرت کر رہے ہیں کفن کے ساتھ سرور عالم کا مبارک کرتا لگا ہوا ہے ۔ اور منہ میں لعاب دہن پڑا ہوا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود خدا تعالیٰ اعلان کر رہا ہے کہ ابن ابی کا مقام آگ کا سب سے نچلا حصہ ہے ملہ

ملہ ان ساری توجیہات اور تمام سوال و جواب میں احقر کے نزدیک پسندیدہ اور اسلم طریقہ اور راجح توجیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے رحمۃ اللہ مقامہ فی الجنۃ ۔ (مرتب)

تنقید و تبصرہ

(صفحہ ۴۸ کا باقی مضمون)

مطالعہ سے اس وقت کی سیاست کے تمام گوشوں کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے ۔ اور انسان یہ معلوم کرکے حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ ایک حکیم ، مفکر اور مصنف کے ساتھ عملاً قوموں کی زندگی کے بکھرے ہوئے تانے بانے کو جوڑ دینے اور کردار و ایثار کے اجزاء کو فراہم کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے جن سے فتح و کامرانی کا خمیر تیار ہوتا ہے اور عدل و انصاف کی چاشنی بنتی ہے ۔

نظامی صاحب نے ان خطوط کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنے میں بڑی محنت اٹھائی ہے ان کا مقدمہ شاہ صاحب کی سیاست کے حدود و اربعہ کو سمجھانے میں ایک باخبر رہنما کا کام دیتا ہے پھر خطوط کے ترجمے ، ان سے متعلق حواشی اور مختلف ضمیمہ جات موضوع کی مکمل وضاحت اور تحقیق کرتے ہیں ہمارے نزدیک اس کتاب کی اشاعت تحقیقی اور تاریخی لٹریچر میں ایک خاص اضافہ کرتی ہے جن حضرات کو قوموں کے مزاج کو فاسد کر دینے والی عادتوں اور بنی بنائی ہوئی سلطنتوں کو تباہ کر دینے والے اسباب کا قریبی مطالعہ کرنے کا شوق ہے وہ اس مجموعہ مکاتیب میں اپنی دلچسپی کا کافی سامان پا سکتے ہیں ۔

(سید محمد انظر شاہ)

"نوائے حیات"

از جناب یحییٰ اعظمی ، کتابت و طباعت اور کاغذ بہترین صفحات ۴۰۰ صفحات قیمت مجلد للعہ غیر مجلد ۸؍ ملنے کا پتہ : —— دار المصنفین اعظم گڑھ

مولانا شبلی نعمانی نظم و نثر میں ایک خاص اسلوب نگارش کے موجد تھے جس میں واقعیت و حقیقت ، علمی تحقیق ، منطقی ترتیب اور بیان شگفتگی اور سنجیدگی و متانت کو خاص دخل تھا اور یہ حقیقت ہے کہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے رفقاء نے مولانا کے اس خاص طرز تحریر کی نہ صرف کامیاب تقلید کی بلکہ اپنی گونا گوں

تحریک جماعت اسلامی

(از مولینا حکیم عبد الرشید محمود صاحب)

ذیل میں ہم تحریک جماعت اسلامی کے متعلق دار العلوم کے ایک فاضل اور اپنے محترم جناب مولینا حکیم عبدالرشید محمود صاحب نبیرۂ حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا ایک مقالہ درج کر رہے ہیں۔ صاحب مضمون نے اس جماعت کے لٹریچر کے مطالعہ اور اپنے ذاتی تجربہ کے بعد جو رائے قائم کی ہے اسے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس مضمون میں ظاہر کیا ہے۔ مضمون نہایت سنجیدہ، متین اور انصاف و دیانت سے لبریز ہے جس سے تحریک کے بارہ میں رائے قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس مضمون کی اشاعت سے ہمارا مقصد یہی ہے کہ دوسرے اہل علم و فکر اصحاب بھی مضمون کے نقاط بحث کو سامنے رکھ کر اس تحریک کے متعلق غور و فکر فرما سکیں اور انھیں اس موضوع کی اہمیت کا احساس ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ مضمون ہمیں ایسے وقت میں موصول ہوا جب موجودہ پرچہ میں پورے مضمون کی اشاعت کی گنجائش نہیں تھی۔ اسلئے ہم مضمون کو دو قسطوں میں شائع کرنے پر مجبور ہوئے۔

(مدیر)

برادرم مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ ملا۔

مولانا مودودی۔ اور ان کی جماعت کے متعلق میرے تاثرات آپ دریافت فرمارہے ہیں۔ دیانۃً جو میری رائے ہے عرض کرتا ہوں۔ گو مجھکو اندیشہ ہے کہ پوری بات احتیاط کے ساتھ مع اپنے تمام ضروری گوشوں کے اُسی قدر و وزن کے ساتھ جتنی کہ ہے شاید ادا نہ کرسکوں۔ ممکن کہیں افراط ہوجائے کہیں تفریط۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوئے۔ اور ممکن احتیاط برت کر جو سمجھا عرض کرتا ہوں۔

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کی دعوت و تحریک اور مجموعۂ لٹریچر کچھ منفعتیں بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور بعض مضرتیں بھی۔ منفعت اس اعتبار سے کہ ایک ایسا طبقہ دین سے آشنا ہورہا ہے جس کا دین کی طرف میلان دشوار تھا۔ اور وہ الحاد کی دلدل میں مبتلا تھا کم از کم اور مضرتوں کے ساتھ اُن کے متکلمانہ ادا و تعبیر اور حسنِ ادب و انشا کی یہ خوبی ہے کہ وہ اُس طبقہ کے ریب و تشکیک یا جحود و انکار کو تصدیق و اثبات کی طرف مائل کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہے۔ نیز دین کے خلاف اور مذہب سے متصادم آج جو تحریکیں قومیت وطنیت کمیونزم کی راہ سے سامنے آرہی ہیں اُن کے مقابلہ میں مستعد ہے۔ اس خدمت کا وزن اپنی جگہ پر بہت وزنی ہے۔

جو مضرتیں سامنے آرہی ہیں وہ یہ ہیں۔ جماعت کے حلقہ میں غیر شعوری طور پہ یہ زعم پیدا ہوتا جارہا ہے کہ دین، دین کا فہم، دین کا درد، اُس کا شعور بس اس جماعت میں محدود اور اس دائرہ میں مخصوص ہے بلکہ حضرات صحابہؓ کے بعد سے دین کو ہمہ شعبہ جات اور جمیع جہات کا فقط ہم نے سمجھا ہے۔ اور اُس کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی

سعیِ مشکور ہمارا حصہ ہے۔ حتی کہ اس سلسلۃ الذہب کی بعض کڑیاں جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضؓ سے شروع ہو کر ہندوستان میں خاندان ولی اللّٰہیؒ حضرت سید احمد شہیدؒ تک پہونچیں وہ بھی باوجود اپنے تمام محاسن کے اغلاط سے خالی نہ تھیں۔ اس پندار و زعم کا نتیجہ یہ ہے کہ جماعت ایک فرقہ کی صورت اختیار کر رہی ہے۔ تحزب اور گروہ بندی کی خصوصیت تفریق ہے۔ اور جماعت کے اندر اور باہر کا امتیاز ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے افراد کی زبان پر اکثر یہ آجاتا ہے کہ ہم اصلی مسلمان ہیں۔ اور دوسرے نسلی۔ لٹریچر سے جو طبقہ بھی متاثر ہوتا ہے وہ بقدر تاثر عام علماء امت سے بدظن ہو جاتا ہے۔ اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے کہ دین کی روح پر ہم مطلع ہوئے جن کے نتیجہ میں وہ اپنے آپ کو اجتہاد کا مستحق سمجھنے لگتا ہے چونکہ دنیا کے کسی اور عالم متقدم یا متاخر پر تو اس کو اعتماد رہتا نہیں اس لئے دین کے بارے میں کسی اور عالم کی طرف رجوع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خود اجتہاد کرتا ہے یا جماعت کے وابستہ اہل علم سے رجوع کرتا ہے۔ اور بقول ایک ایسے صاحب علم کے جنھوں نے قریب سے اس جماعت کے افراد کو دیکھا اور گہرا مطالعہ کیا ہے ایک عالم بھی اس جماعت میں ایسا نہیں جس کا علم و تفقہ تفصیلی مسائل میں لائق اعتماد ہو۔ ان کے بڑے بڑے عالم بلکہ مدعیان علم مسائل کے بارہ میں مضحکہ خیز اور فاحش غلطیاں کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ وہ فقہ حنفی کے اعتبار سے وہ غلطی کرتے ہوں۔ بلکہ چونکہ کتاب و سنت اور فقہاء امت کے استنباطات پر ان کی نظر بہت کم ہے۔ انھوں نے دین کے صرف ایک ہی شعبہ کا اچھا مطالعہ کیا ہے باقی شعبوں میں اُن کا علم بہت ناقص اور خام ہے اسلئے فاحش غلطیاں پیش آتی ہیں مگر جماعت دینی ہمہ اپنے کو مرجع سمجھتی۔ اور اعتماد کرتی ہے۔ میرے خیال بلکہ مشاہدہ میں جماعت کی اکثریت میں یہ مرض پیدا ہو رہا ہے جو اشراط ساعۃ میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اعجاب کل ذی رای برایہ ہے۔ اس اعجاب رائے کا یہ اثر ہے کہ ہر فرد جماعت مائل با جتہاد اور براہ راست کتاب و سنت سے اخذ و استنباط کا مدعی ہے خواہ اس کا علم اور مبلغ فکر جماعتی لٹریچر کی چند کتب ہی ہوں اور بیباکی کے ساتھ فقہاء امت اور سلف صالحین پر تنقید کے لئے پر تولنے کے لئے طیار رہے مگر نہیں جانتا کہ تنقید و اجتہاد کی حدود کیا ہیں جس کی وجہ سے وہ تنقید سے نکل کر تنقیص تحقیق کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مورد بنتا ہے کہ اخیر زمانہ میں لوگ ناجائز چیزوں کے نام بدل کر جائز کر لیں گے تنقیص تحمیق اور تضنیف کے ذمیمہ کو تنقید کے عنوان سے بدل کر راہ جواز اختیار کرنا عموماً مشاہد ہے۔ یہ تنقیص تحت لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا کی خبر دے رہی ہے یہاں تک جو کچھ عرض کیا اس میں ایک ایسے عالم کے تاثرات اور تحریری اقتباسات بھی ہیں جنھوں نے بہت قریب سے اس جماعۃ کو دیکھا ہے ؎

ایک اہم ترین ضرر دین کے ایک بڑے شعبے سلوک و تصوف اور احسان کے متعلق بھی ہے۔ اکابر جماعت چونکہ اس کوچہ سے عملاً اور اعتقاداً بالکل فارغ ہیں۔ اس لئے اب اس جماعت کا مزاج یہ بنتا جا رہا ہے کہ اس شعبہ کی خیر سے وہ نہ صرف محروم ہیں بلکہ اس خیر کے حاملین صوفیاء کرام ارباب سلوک جو تنہا اس کفرزار آفرستان میں اشاعت اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف آئے جا رہے رہے۔ اور جن کے انفاس پاک سے آج کروڑوں مسلمان یہاں نظر آرہے ہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی نظر میں مبغوض ہوتے جا رہے ہیں۔ اور جن قدسی النفوس کو ہم قرآن و حدیث کا مغز کھانے اور کھلانے والا سمجھتے تھے آج وہ یوگی اشراقی اور سنیاسی کے القاب سے ملقب کئے جا رہے ہیں۔ اور وہ بالکل اس امر سے خالی الذہن ہیں کہ یہ کیسا عظیم جرم اور کیسی جسارت عظیمہ کا ارتکاب ہے۔ معاذ اللہ وہ لوگ سلوک و احسان کے

منکر نہیں مگر حصولِ احسان وتحصیل سلوک کے طُرقِ متعارفہ صوفیا کا وہ اس شدت سے رد کرتے ہیں کہ وہ صرف طُرق ہی سے اختلاف کی حد تک نہیں رہتا بلکہ اُن طرق کو اختیار کرنے والوں کی تنقیص اور ان کی بدگمانی تک منجر ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے بعض ذی علم محتاط افراد اس تعدی سے محفوظ ہوں جن کی تعداد بغایت محدود ہوگی ورنہ عامۃً اکثریت اس سے خالی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مولانا مودودی حضرت مجدد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ رح کے تمام کمالات تبحر تدین تفقہ تورع اور جامعیتِ کاملہ کے ساتھ اُن کی مجددیت کو بھی تسلیم کرتے ہوئے یہ لکھیں کہ "مگر مسلمانوں کو طُرق تصوف کی مہلک زہریلی غذا ان حضرات نے دی" مولانا مودودی نے تو ان حضرات کی معرفت شان ملحوظ رکھتے ہوئے اتنے ہی پر اکتفا کیا۔ مقلدین ضروری نہیں کہ تجزیہ کر کے محتاط ہی رہیں۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ حضرات مجدد تھے تو مجدد کا پہلا کام ماحول کی تشخیص ہے۔ اور یہ متعین کرنا کہ جاہلیت کس منفذ اور راستہ سے قصرِ اسلام میں داخل ہوئی۔ اس تشخص اور تعین کے بعد مجدد کا کام یہ ہے کہ اُس منفذ کو فوراً بند اور اُس راہ کو فوراً مسدود کر دے جس سے جاہلیت نے راہ پائی ہے۔ اور مولانا کے خیال میں جاہلیت خصوصیت سے براہ تصوف اس قصر میں داخل ہوئی ہے تو یہ حضرات کیسے مجدد ہیں جنہوں نے اس راہ کو نہ مشخص کیا نہ مسدود۔ صرف صوفیا یہاں کی چند مخترعہ رسوم میں اصلاح پر اکتفا کیا۔ حالانکہ ضرورت تھی قطعی انسداد کی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ حضرات اور ان کے اختیار کردہ تمام وسائلِ تحصیل سلوک جماعت کی نظر میں کس قدر موجب تخفیف ہوں گے۔ چنانچہ یہیں میرا مشاہدہ ہے۔

میں سوچا کرتا ہوں کہ سلاسل اربعہ کے تمام مروجہ طُرق جن کی اصل کتاب وسنۃ بالدلالۃ موجود ہے۔ اور سلف سے خلف تک متقدمین ومتاخرین نے اُن کو ترک نہیں کیا۔ حتیٰ کہ ان میں وہ حضرات بھی ہیں جن کو امۃ من یجدد لھا دینھا کا مصداق اور خدمت تجدید واحیاء کے شرف سے بھی مشرف سمجھا۔ ان کو اپنایا۔ اور انہیں وسائل سے سلوک واحسان کی بلندیوں تک پہونچے۔ حتیٰ کہ امام غزالیؒ تو المنقذ من الضلال صفحہ ۳۱ پر یہاں تک لکھتے ہیں کہ

وبالجملۃ فمن لم یذق منہ شیئاً بالذوق فلیس یدرک حقیقۃ النبوۃ الا الاسم

مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا مزہ نہیں چکھا وہ نام کے سوا نبوت کی حقیقت جان نہیں سکتا۔

ممکن ہے اس پر یہ کہا جائے کہ تصوف کا انکار نہیں طرق و وسائل پر گفتگو ہے تو آگے چل کر طرق کے متعلق بھی فرماتے ہیں

ومما بان لی بالضرورۃ من ممارسۃ طریقتھم حقیقۃ النبوۃ وخاصیتھا

یعنی صوفیا کے طریقوں کی مشق سے مجھ کو نبوت کی حقیقت اور خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہوگئی۔

تو یقیناً ان طرق میں کوئی عمیق اور عظیم منفعت اور مصلحت موجود ہے۔ تجربہ اور فکر غائر سے بھی یہ بات معلوم ہوئی۔ اگرچہ یہ طرق ووسائل احسان کے موقوف علیہ نہیں۔ ان پر انحصار نہیں کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق مسلم ہے لیکن اس دور بعید عن خیر القرون میں عامۃً افراد وآحاد انہیں طرق کے ذریعہ اقصیٰ منازل روحانیت قرب ومعیتِ حق ربط باللہ خشیۃ اللہ استحضار حق کی خصوصی ومعیاری کیفیات راسخہ تک پہونچتے ہیں اور مجددین امۃ تک نے ان طرق کو اختیار واستعمال کیا۔ سوائے علامہ ابن تیمیہؒ کے کسی نے اُن سے اعراض نہیں کیا۔ ہو سکتا تھا کہ اسلم ولوکنت کادھا تک ہی رہتے جس پر مدار نجات ہے۔ اور جس کی تفسیر حضرت مجدد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نفس کے انکار کے باوجود صرف قلب و جنان کی تصدیق پر کفایت فرما کر نجات دیدیں گے۔ البتہ نفس کا تکسر تذلل کیف وحال اور ذوق ووجدان کا انشراح عادۃً آج انھیں طرق میں مشاہد ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بطریقِ مرادیت اپنے انجناب خصوصی سے کسی کو نوازیں۔ اللہ یجتبی

الیہ من یشاء ۔ اس لئے ردو انکار کے بجائے اگر کسی شخص کو ان طرق سے مناسبت نہ ہو تو نہ اختیار کرے کہ مامور بہ تو ہیں نہیں ۔ ایسے شخص کے لئے صرف عبادات مقصودہ مامورہ پر جن کی ہیئات بھی مطلوب و منصوص ہیں قناعت کافی ہے اس کو احسان انہیں عبادات مقصودہ میں حاصل ہو سکتا ہے بلکہ استعمال طرق کے بعد جب احسان تک سالک پہونچ جاتا ہے تو مشائخ ترک طرق کا حکم دے کر صرف منصوصہ عبادات ہی میں مشغولی کا مشورہ دیتے ہیں ۔

غرض مقصد یہ ہے کہ ان طرق کا ردو انکار اور بغض و کراہت تو ایک تعدی ہے جو ان آحاد و اساطین امت کے ردو انکار اور بغض و تخفیف تک مفضی ہوتی ہے ۔ غایت مافی الباب نہ اختیار کرے ۔ اختیار پر اصرار نہیں ۔ اس لئے نہ ان پر مدار نجات نہ یہ احسان کے موقوف علیہ ۔ محض وسائل کے درجہ میں ہیں جن کو باحتیاط استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ نقشبندیہ ۔ اور خصوصاً حضرت مجدد ؒ نے تو تصور شیخ تک کو استعمال کرایا جو بے حد خطرناک اور مخدوش طریقہ ہے ۔ محض اس لئے کہ جانتے تھے کہ لوگ آج عموماً خوگر ہیکل محسوس ہیں ۔ صورت محسوس کے بغیر مجرد معنی تک وصول کی صلاحیت ہی نہیں ۔ محسوس پرستی کا ذوق اس قدر مسلط ہے ۔ اور تجرید و تفرید معانی سے اسقدر عاری ہیں کہ بغیر اس کے خدا کا تصور و تمکن قلوب میں ہوتا ہی نہیں ۔ سالہا سال کی اصنام پرستی اور صورت پسندی اور ر اجعل لنا الٰہاً کما لہم الٰہۃ اور لن نومن لک حتیٰ نری اللہ جہرۃ کی بد ذوقی نے تنزیہی الوہیت بے شبہ و مثال بے کیف و لون بے جہت و قیاس خدا کا تصور دشوار تر کردیا ۔ اور وصول ہے ضروری ۔ مع ہذا ہوائی سفر کے بجائے چھکڑے ہی کے ذریعہ اگر قطع مسافت سہل و ممکن ہو تو یہی بھی مقصد تو وصول ہے ۔ مگر چونکہ طریقہ مخدوش ہے اس لئے بعض حضرات نے اس سے گریز بھی کیا ۔

حاصل یہ ہے کہ یہ طرق اس جماعۃ کے نزدیک اسقدر منکر اور مبغوض ہو گئے کہ اب یہ بغض [illegible] کنایت صالحین تک پہونچ گئی ۔ میرے کان نے ایک رکن جماعۃ کی زبان سے ایک بڑے زبردست صاحب سلسلہ چشتی بزرگ حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی جن کے وصال پر تین سو سال گذر چکے ہیں کے متعلق ان لوگوں کو خطاب کرکے کہتے سنا جو ان کے مزار پر حاضر ہو رہے تھے "کہاں جا رہے ہو ایک سنیاسی ہے جو پتھروں میں پڑا ہے" ایک اور صاحب جو ایک بڑے دار العلوم کے فاضل بھی ہیں ۔ اور جماعۃ کے رکن بھی حضرت مجدد سرہندی ؒ کے مکتوبات پر رکیک تبصرہ کرتے دیکھا ۔ قریب ہی ایک جماعتی ماہنامہ "زندگی" میں ایک شخص کا مراسلہ شائع ہوا ہے ۔ آدمی خاصا پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے ۔ اور جماعت میں داخل بھی ہے جیسا کہ آخر عبارت سے معلوم ہوتا ہے جس میں وہ لکھتا ہے لٹریچر دیکھنے سے مجھ میں یہ انقلاب رونما ہوا کہ اب میں صحابہؓ کے بعد سے آج تک سوائے مودودی صاحب کے کسی شخص کو کامل الایمان نہیں سمجھتا ۔ دین کے اس ضروری تقاضے سے جو مولانا مودودی نے سمجھا تعجب ہے کہ صحابہؓ کے بعد سے اب تک ہر شخص فارغ اور خالی الذہن رہا ۔ خصوصاً صوفیا نے تو دین کو ایک پرائیویٹ اصول بنا کر جوگ و سنیاس کی حیثیت دیدی ۔ میں خواجہ معین الدین اجمیری ؒ کے مسلک کو غلط تصور کرتا ہوں ۔ بڑے بڑے مشاہیر امت کا کامل الایمان ہونا میری نظر میں مشتبہ ہو گیا ہے ۔ آگے چل کر لکھا ہے کہ بعض دفعہ مجھکو خیال ہوتا ہے کہ میں ہی غلطی پر ہوں ۔ ایسا بھی کیا اس تیرہ سو سال میں مودودی صاحب ہی نئے تمام مولوی مجتہد فہم دین رکھنے اور تقاضائے دین سمجھنے والے پیدا ہوئے جنھوں نے سلف کی تمام خدمات پر پانی پھیر دیا ۔ وغیرہ وغیرہ الخ پھر لکھا باوجود اس کے اصول تحریک کتاب و سنۃ کے مطابق ہیں اس لئے میں اس سے دستکش اور علیحدہ نہ ہونگا ۔

غور فرمائیے یہ سب کچھ کیوں ہے اس لئے کہ مولانا مودودی کا فکر و علمی مزاج و قوام باوجود اپنے اخلاص و نیک نیتی کے

اسی انداز کا واقع ہوا ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں تو دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے براہ راست کتاب و سنت سے سمجھنا ہے۔ یہ عبارت کئی جگہ ان کی تصانیف میں موجود ہے اس عبارت نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آئمہ و ائمہ فقہا محدثین، اور ان کی تمام علمی فقہی مساعی اور خدمات سے امت کو یکسر مستغنی کر دیا ہے۔ ممکن ہے مولانا کا مقصد اس کے مفہوم میں اس قدر عموم اور توسع نہ ہو مگر لٹریچر دیکھنے والے نہ صرف غیر اہل علم بلکہ اہل علم بھی اس عموم کے رجحان سے فارغ نہیں جس کا نتیجہ ہے سلف کی خدمات کی بے وقعتی یا کم از کم اس سے استغنا اور خود کتاب و سنت سے اخذ و استنباط کا عزم اور اپنے فہم نصوص و تعیین مدلول کی ترجیح نحن رجالٌ وھم رجال کا اعتماد قبل اس جائزہ کے کہ آخذ کا ذخیرۂ علم کس قدر ہے اور استنباط و اجتہاد کی حدود و شرائط کیا ہیں۔ حالانکہ جمہور اہل حق کا وہ مسلک اور احتیاطی مذاق ہے کہ مجدد اول حضرت عمر ابن عبدالعزیز رح ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

خذوا من الرائی مایو	یعنی اپنے سے پہلوں کی رائے کو
افق من کان قبلکم	ترجیح دو اور اختیار کرو اس لئے کہ
فانھم کانوا اوفق	وہ تم سے زیادہ موافق سنت اور اعلم
بالسنۃ واعلم منکم	تھے یعنی زیادہ راز دان مزاج دین تھے

سلف کی ترجیح میں سابقین بالخیرات میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رض کا ارشاد ہے۔ من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوباً واعظمھا علماً واقلھا تکلفاً اختارھم اللہ تعالی لصحبۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم و اتبعوا علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔

(باقی آئندہ)

تنقید و تبصرہ

(صفحہ ۳۳ کا باقی مضمون)

ایجادات اور ذہنی قوت سے اسے اردو ادب کا ایک خاص رنگ بنا کر ملک میں پھیلا دیا، جناب یحییٰ اعظمی شبلی اسکول کے پیرو ہیں جو خصوصیتیں خود مولانا شبلی کی نظم کی ہیں انھیں جناب یحییٰ اعظمی نے اپنی شاعری میں بنیادی حیثیت سے اختیار کیا ہے، صحت زبان و بیان، متانت و سنجیدگی، حیات افروز جذبات، قدرت بیان، پختگی، شستگی، آمد و بے ساختگی اور شاعرانہ خیال آرائی کے لحاظ سے جناب یحییٰ اعظمی کا کلام ایک معیار کی حیثیت رکھتا ہے، جدید ادب کے جنسی رجحانات نے جب ہمارے بازار ادب میں خیالات و جذبات کو بالکل بے لگام اور زبان و بیان کو فنی اور لسانی کمالات سے بالکل بے بہرہ کر دیا ہے، اردو ادب و شعر کے صحیح مقام سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے نوجوانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جناب یحییٰ کے اس مجموعۂ کلام کا پر شوق نگاہوں سے مطالعہ کریں، اس مجموعہ میں پندرہ مختلف ابواب پر جناب یحییٰ کا کلام تقسیم کیا گیا ہے اور اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب یحییٰ نہ صرف الفاظ پر فنی حیثیت سے اچھی دسترس رکھتے ہیں اور نہ صرف فنی قیودات کے ساتھ شاعری کی روح ان کے کلام میں بڑی توانائی کے ساتھ موجود ہے بلکہ ان کی شاعری ایک اصولی اور مقصدی شاعری ہے اور ان کا یہ مقصد اپنے مذہب و معاشرہ کی اصلاح اور سماج کے مظلوم اور جمود و ذلت پسند عناصر کو زندگی کے ایک نئے جذبہ سے سرشار کر کے حیات و قوت کی ایک نئی منزل پر قائم کر دینے سے متعلق ہے "نوائے حیات" ایک طاقتور طاقت بخش، بیدار کن اور حیات آفریں شاعری کا مجموعہ ہے جو قوم کو شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر کا سبق دیتی ہے، شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کا مقدمہ جناب یحییٰ کی شاعرانہ صلاحیتوں کے سمجھانے میں پوری مدد دیتا ہے، ہم اہل ذوق سے اس مجموعہ کے مطالعہ کی خاص سفارش کرتے ہیں، جناب یحییٰ کی شاعری علماء و طلباء کی مجلسوں میں بھی جگہ پا سکتی ہے۔

(ا۔ ز۔ ش)

قرب و معیت ذاتی

(از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ)

حق تعالیٰ کی وہ تمام صفات جن کا ذکر قرآن کریم و احادیث میں آیا ہے ان سب کا حکم ائمہ اہل سنت کے نزدیک بالکل ایک سا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان پر "بلا تاویل و بلا تشبیہ و تمثیل و بلا نفی و تعطیل ایمان لایا جائے۔ اور ان کی حقیقت و ماہیت کو جو شایان شان الٰہی ہے علم الٰہی کے تفویض کیا جائے۔ اور ان میں بحث و خوض نہ کیا جائے" (شاہ ولی اللہ تاویل الاحادیث)

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانہ کے بعد اسلام میں جن بدعتوں کا حدوث ہوا ان میں سے ایک مذہب تجسیم ہے۔ اور ایک مذہب تعطیل۔ مذہب تجسیم کا بانی سیستان کا ایک جاہل محمد بن کرام ہے جو فرقہ کرامیہ کا بانی و زعیم ہے۔ اس کا زمانہ ۲۰۰ھ کے بعد کا ہے۔ اس نے اثبات صفات باری میں اس قدر غلو کیا کہ تشبیہ و تجسیم ہی کو حق ثابت کیا گیا۔ چنانچہ ابن کرام اور اس کے پیرو کے عقیدے کی رو سے اللہ تعالیٰ جسم ہے، اس کی جہت و نہایت ہے اجسام ماتحت سے اس کا تماس جائز ہے، عرش اس سے مماس ہے، یہ بات بھی جائز ہے کہ حق تعالیٰ حرکت کرے، نزول کرے۔

حق تعالیٰ کو جسم قرار دینے والے گمراہوں میں کرامیہ کے علاوہ حشویہ کا ایک فرقہ ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ کے جسم میں گوشت۔ اور خون، رگ، پٹھے، سر و زبان سب کچھ موجود ہیں مگر یہ چیزیں اس کی مخلوقات میں سے کسی کے مشابہ نہیں۔

امامیہ کے فرقہ حکمیہ نے دعویٰ کیا کہ خدا جسم گویا بقعہ نور ہے، چاندی کے ٹکڑے کی طرح صاف و شفاف، اس کا طول سات بالشت ہے خود اس کی بالشت سے امامیہ کے ایک دوسرے فرقہ جوالقیہ کے نزدیک خدا کے سر کے بال کالے ہیں، اس کی داڑھی اور شرم گاہ نہیں۔ مختاریہ خدا کے دو ہاتھ مانتے ہیں۔

ان تمام گمراہ فرقوں کا ایک نام مشبّہ بھی ہے

مذہب تجسیم متضاد ہے مذہب اعتزال کا۔ معتزلہ حق تعالیٰ کے لئے صفات ثابت نہیں کرتے۔ ان کا مذہب تعطیل ہے۔ ان کی دلیل ایک تو یہ ہے کہ اگر صفات باری تعالیٰ کو تسلیم کیا جائے تو پھر انھیں ذات سے علیحدہ ماننا پڑے گا۔ اور اگر علیحدہ مانیں تو صفات بھی ذات کی طرح قدیم ہوں گے۔ اور ان سے "تعدد قدماء" یا "تعدد وجباء" لازم آئے گا، اور اس طرح توحید کا عقیدہ باطل قرار پائے گا۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اثبات صفات سے حق تعالیٰ کی تشبیہ لازم آتی ہے۔ اور جس نے حق تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی وہ مشرک قرار پایا۔

جہم بن صفوان بھی (جس کا زمانہ ۱۲۰ھ سے کسی قدر پہلے کا ہے) صفات الٰہیہ کا منکر ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کا اس چیز کے ساتھ وصف کرنا جس کے ساتھ مخلوق موصوف ہوتی ہے جائز نہیں۔ لہٰذا اس کے نزدیک خدا کے لئے کوئی صفت مثلاً علم، حیات، ارادہ وغیرہ ثابت نہیں، اس عقیدہ کو تعطیل کہا جاتا ہے۔ اور اس کے قائل "معطلہ" کہلاتے ہیں امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ جہم نے نفی تشبیہ میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا کہ خدا کوئی چیز نہیں۔

جہم کے پیرو جہمیہ کہلاتے ہیں۔ جہم نے مسلمانوں میں بہت سارے شکوک پیدا کئے جس کا اثر ملت اسلامیہ پر بہت برا پڑا، فلسفیانہ شبہات کا دروازہ کھل گیا۔ جبر و تعطیل یا انکار

صفات الٰہیہ کا فتنہ پیدا ہو گیا۔ اس کی تردید میں علمائے حق نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کے عقائد سے تحذیر کی ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں بیان کیا ہے صفات کے مسئلہ میں سلف صالحین کا مسلک اثبات بلا تشبیہ و تنزیہ بلا تعطیل ہے۔ اسی اعتقاد پر سارے ائمہ اسلام و مجتہدین کرام گزرے ہیں جیسے مالک، ابو حنیفہ، شافعی، ثوری، اوزاعی، ابن مبارک، احمد، ابن راہویہ وغیرہم۔ یہی اعتقاد مشائخ امجاد کا تھا جیسے فضیل بن عیاض، ابو سلیمان دارانی، سہل تستری وغیرہم یہی مذہب سارے محدثین محسنین کا بھی ہے۔ اثبات کمال کے لئے الرحمٰن علی العرش استوی اور نفی نقص و زوال کے لئے لیس کمثلہ شیء کی آیتوں کو انھوں نے کافی و شافی قرار دیا۔ اعتقاد اجمالی کے لئے سورۂ اخلاص اور ایمان تفصیلی کے لئے قرآن کریم۔ اور حدیث رسول کو کافی سمجھا! اس کے بعد قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون کہہ کر خاموش ہو رہے!

بیان بالا سے ظاہر ہے کہ ہمیں تمام حقائق و اوصاف الٰہیہ جیسے وجہ، عین، ید، کف، ساق، قدم، رجل، جنب، صدر ساعد، فوق استوا، نزول، قرب معیت وغیرہ پر بلا تشبیہ و بلا تعطیل ایمان لانا ضروری ہے۔ اور ذات باری تعٰ کو مخلوق کی صفات و کیفیات جیسے اتصال و انفصال، بعد و مسافت حلول و اتحاد، اعضاء و جوارح سے منزہ جاننا لازمی ہے یہی مذہب ہے سلف صالحین و ائمہ محققین اہل سنت کا، کما مرّ۔

علمائے کرام نے قرب و معیت کی آیتوں و حدیثوں کے تحت باقتضائے محل و مورد معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ، حلولیہ وغیرہ کے رد میں قرب کے جو فوائد و ثمرات (علم، حفظ، نصرت) بیان کئے ہیں، وہ اصل و قرب و معیت غیر مکیفہ کی جو نصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہیں جزماً تاویل بمعنی تعطیل نہیں بلکہ ان کے ثمرات و نتائج کی باقتضائے محل و مورد تفسیر و تشریح ہے اس وجہ سے اصل قرب و معیت غیر مکیف کی جو منصوص کتاب و سنت سے ہے بواسطہ نفی و تعطیل نہیں ہو سکتی اور حق تعٰ کے لئے دوری یا بعد و فاصلہ نہیں ثابت کیا جا سکتا۔

نصوص قرب الٰہی یہ ہیں: (۱) واذا سألك عبادی عنی فانی قریب (پ ۲ ع ۶)

(۲) نحن اقرب الیہ منکم ولٰکن لا تبصرون (پ ۲۷ ع ۱۶)

(۳) نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

(۴) ان ربی قریب مجیب۔

(۵) انہ سمیع قریب۔

حدیث متفق علیہ، بروایت ابو موسیٰ اشعری ہے: "فقال رسول اللہ صلعم یا ایھا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصمّاً ولا غائباً، انکم تدعون سمیعاً بصیراً وھو معکم، والذی تدعونہ اقرب الی احدکم من عنق راحلتہ" یہ حدیث وما کنا غائبین کی تفسیر ہے اور فانی قریب کی توجیہ!

ائمہ مجتہدین و علمائے راسخین میں سے شارح صحیح بخاری امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے شارح کرمانی سے بُعد کی نفی اور قرب الٰہی تعالیٰ سے حلول کی نیز یہ نقل کی ہے، امام ابو الحسن اشعری نے ابانہ میں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں، امام ربانی مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں اور امام موصلی نے سیف السنۃ میں۔ اور حافظ ابن قدامہ مقدسی نے صادم میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مالا بد میں اور سید احمد بریلوی اور شاہ اسمعیل شہید نے صراط المستقیم میں اور بے شمار علمائے کرام نے قرب علمی و قرب ذاتی بلا کیف کی تصریح بھی کی ہے۔ اور علمائے محققین اہل سنت میں سے کسی نے اللہ جل شانہ کو بعید یا دور نہیں کہا۔ حق تعٰ

لہ دیکھو راقم کی کتاب قرآن و تصوف باب قرب و معیت و دوسری حدیثیں کے لئے اور معیت و اطاعت وغیرہ کی آیتوں و حدیثوں کے لئے۔

تنقید و تبصرہ

ہماری شہنشاہی!

"از محمد عطاء اللہ خاں صاحب عطا، ضخامت
۲۲۴ صفحات کتابت، طباعت بہتر قیمت ۱ر
ملنے کا پتہ:۔ محمد سعید قرآن محل، مولوی مسافر خانہ
کراچی (پاکستان)

زیر نظر کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مسلمان حکمرانوں کی مختصر تاریخ ہے، ظہور اسلام سے لیکر پاکستان بننے تک کے مسلم حکمرانوں کے حالات درج ہیں۔ خلافت راشدہ، بنو امیہ — بنو عباس، دولت عثمانیہ، اور پھر ہندوستان میں خاندان غزنوی، خاندان غلامان، خاندان خلجی، خاندان تغلق، خاندان سادات، اور خاندان مغلیہ کے جتنے حکمراں گذرے ہیں، سب کے حالات اختصار کے ساتھ چار چار اور چھ چھ سطروں میں مؤلف نے لکھنے کی سعی کی ہے، حالات پر جو چند سطریں ہیں، وہ مرتب اور سلجھی ہوئی ہیں۔ اخیر کتاب میں جنگ آزادی کی تفصیل، پھر لیگ اور کانگریس کی آویزش، اور ملک کی تقسیم کا تذکرہ ہے۔

چونکہ کتاب پاکستان سے شائع ہوئی ہے، اس لئے پاکستان کا رقبہ، پیداوار، اور ملک کے دوسرے حالات بھی فوجی انقلاب سے پہلے تک کے درج ہیں۔

اس دور میں جبکہ لوگ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے متمنی ہیں، زیر نظر کتاب ایک اچھی کوشش ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک رسالہ "اساطیر الاولین" کا ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے جو ۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، یہ رسالہ معلومات افزا ہے، اگر اس کے مصنف کا نام معلوم ہو جاتا، یا اس میں جو واقعات درج ہیں، اُن کے حوالے درج ہوتے تو بڑا کارآمد ہو سکتا تھا۔

کانگریس لیگ کی آویزش کے سلسلہ میں کانگریسی وزارت پر حملہ اور اس سلسلہ میں یک طرفہ دوسرے حالات کا اندراج کسی طرح مناسب نہ تھا، تاریخی اسپرٹ کے یہ چیز مخالف ہے، بہر حال اس طرح کی بعض فروگذاشتوں کو چھوڑ کر کتاب اچھی ہے، اور پڑھنے کے لائق ؛

(ظفیر صدیقی)

شہادتِ حسینؓ!

مصنفہ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی ضخامت ۱۳۶ صفحات
طباعت و کتابت اور کاغذ بہتر، سائز $\frac{20\times30}{16}$ قیمت عہ
ملنے کا پتہ:۔ محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب و مالکان
مطبع سعیدی کراچی ۱/ ؛

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ، تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی دردناک واقعہ ہے جس کی اثر آفرینی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوحانی اور جسمانی طور پر قریبی نسبت حاصل ہے اسلئے ہر دلِ مسلم میں اُن کا ادب، احترام اُن کی مظلومیت سے ہمدردی، اُن کی شجاعت و بہادری اور اولو العزمی کی قدر ناگزیر ہے اور ہونی چاہئے۔ مگر اہلِ تشیع نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اس واقعہ کو بڑی ہی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے، اس قدر کہ اصل

واقعات اور خانہ ساز روایات کو ایک دوسرے سے الگ کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے، مرثیہ گویوں، اور تعزیہ داروں نے اپنی چرب زبانی سے واقعہ کی اصل حیثیت کو گم کر دینے میں خاص طور پر شرکت کی ہے۔ مفتی صاحب نے اس موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے، تاریخ چونکہ ان کا خاص موضوع ہے، اسلئے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ شہادتِ حسینؓ پر انکی تصنیف افسانہ آرائیوں اور مبالغہ آمیزی سے پاک ہو گی،

اِس کتاب میں نہ صرف معرکۂ کربلا، واقعۂ شہادت اور بعد کے حالات بیان کئے گئے ہیں بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، اور اس نقشہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری سخاوت و فیاضی، ایثار و توکل، شجاعت و جوانمردی، تقویٰ و پرہیزگاری اور بے ریا زندگی سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے نانا کی تعلیمات پر خود بھی بڑی سچائی کے ساتھ عمل فرمایا ہے ؛

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

تاریخ قرآن!

مصنفہ مولانا عبدالقیوم صاحب ندوی
ضخامت ۱۷۴ صفحات، سائز $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$،
کتابت و طباعت بہتر، قیمت
ملنے کا پتہ: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب (مولوی مسافر خانہ کراچی ۱)

توریت، زبور اور انجیل یہ آسمانی صحائف آج بھی موجود ہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ صحیفے اپنی اصل حالت میں موجود ہیں اور ان میں کوئی تحریف و ترمیم نہیں کی گئی، اسکے برعکس قرآن مجید چونکہ آخری صحیفۂ سعادت اور پوری دنیا کے لئے آخری نسخۂ شفا ہے، اِسلئے اسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس مقدس کتاب کا ایک ایک حرف جوں کا توں باقی ہے، اُمتِ محمدیہ نے قرآن کو اپنی سب سے بڑی دولت سمجھا اور اسکی حفاظت پر اپنی ساری محنتیں صرف کر دیں۔ ایک طرف مفسرین نے اس دریائے ناپیدا کنار کی غواصی کی اور مطالب و معانی کے لؤلوئے آبدار فراہم کئے، قراء نے اسکے صحیح تلفظ اور لب و لہجہ کا اہتمام کیا حفاظ نے اسکے ایک ایک حرف کو اپنے سینہ میں جگہ دی۔ علماء اسکی تعلیمات کو پھیلاتے رہے۔ مولانا عبدالقیوم ندوی نے تاریخ قرآن پر یہ ایک معلومات افزا کتاب لکھی ہے جس سے قرآن مجید کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے، قرآن حکیم کا موضوع، قرآن حکیم کیونکر نازل ہوا؟ وحی کیسے آتی تھی؟ قرآن کیسے جمع ہوا؟ قرآن پاک کس ترتیب سے نازل ہوا؟ جمع و ترتیب قرآن، قرآن کا رسم الخط اور اعراب، قرآن نے کتنے علوم سے بحث کی ہے؟ عجائباتِ قرآن، ربط قرآن، قرآن کا ربط مشکل کیوں ہے؟ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا ذکر، قرآن میں حروف مقطعات، قرآن میں خدا نے قسمیں کیوں کھائی ہیں؟ قرآن کیونکر معجزہ ہے؟ یہ وہ بیسیوں عنوانات ہیں جن پر شستہ لہجہ میں روشنی ڈالی گئی ہے، گویا یہ کتاب تاریخی ہونے کے ساتھ بہت سے تفسیری مضامین کا ایک گلدستہ بھی ہے بعض ضروری معلومات جو تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں کو کھنگالنے پر مل سکتی ہیں وہ مصنف نے یکجا جمع کر دی ہیں۔ کتاب یقیناً اِس قابل ہے کہ اُسے غور سے پڑھا جائے، اندازِ بیان اتنا صاف ہے کہ کتاب پڑھتے وقت طبیعت کو کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ شروع میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم کا دیباچہ بھی شامل ہے جو بجائے خود ایک قابل قدر تحریر ہے ؛

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

زیارت القبور!

مصنفہ مولٰنا بادشاہ گل صاحب بخاری۔
شیخ الجامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک، پاکستان
ضخامت ۹۶ صفحات، کتابت وطباعت اور
کاغذ بہتر۔ قیمت عہ، ناشر:—
دار التصنیف جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک، پشاور

بعض متشدد حضرات کا خیال ہے کہ قبروں پر ایصال ثواب کیلئے جانا، یا انبیاء، اولیاء، اور بزرگان دین کے توسل سے دعا مانگنا نہ صرف یہ کہ بدعت اور ضلالت ہے بلکہ وہ اسکو حرام وشرک بھی بتاتے ہیں۔ اُن حضرات کا یہ مسلک ظاہر ہے کہ صحیح نہیں اور بعض پہلوؤں سے یہ خیال مضر بھی ہے۔

ضرورت تھی کوئی ایسی سلجھی ہوئی کتاب سامنے آجائے جو اس مسئلہ میں قرآن واحادیث کی روشنی میں صحیح راستہ پیش کرتی ہو۔ حق تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائیں مولٰنا سید بادشاہ گل صاحب بخاری کو جنہوں نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔

مولٰنا موصوف نے اس کتاب میں پہلے تو اولیاء اللہ کے رُوحانی فیض بعد الموت کو عقلی حیثیت سے ثابت کرتے ہوئے بطور استشہاد امام رازیؒ، علامہ تفتازانیؒ، میر سید شریف، جیسے مشہور متکلمین کے اقوال ومشاہدات سپرد قلم کئے ہیں۔ اس کے بعد اکتساب فیض بعد الموت، استحباب زیارت القبور، زیارت القبور کے اقسام، عورتوں کے قبر پر جانے وغیرہ کے مسئلوں کی حدیث وسنت کی روشنی میں، وضاحت کی ہے۔ اِسی ضمن میں سماع موتیٰ، حیات جسمانی انبیاء، شہداء، جیسے مشہور اور مختلف فیہ مسائل میں اہلسنت والجماعت کا مسلک ثابت کرتے ہوئے اس کی شرعی حیثیت قائم کی گئی ہے۔

آخیر کتاب میں نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ مصنفہ، حضرت مولٰنا تھانویؒ کی اڑتیسویں فصل شامل کی گئی ہے جس سے دُعاء میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے توسل کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ گمراہی وضلالت کے اس دور میں طالبانِ حق کے لئے یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

مصنف اپنی اِس کتاب میں اگر مسئلہ کے دوسرے رخ یعنی اہل اللہ کے مزارات پر سجدہ ریزی، عُرس وقوالی کے ہنگاموں، مبتدعانہ افعال، اہل اللہ کو حاجت روا، اور مشکل کشا سمجھنے کے مشرکانہ خیالات اور فرائض شرعی سے بے نیاز ہوکر صرف مزارات کے طواف کو ضروری سمجھنے کے شرعی نقصانات کو بھی کھول کر بیان کر دیتے تو مسئلہ کی اصل حیثیت سامنے آجاتی۔

(عبداللہ جاوید ہاشمی غازی پوری)

مذہب و تمدن!

از سید ابوالحسن علی الندوی۔ ضخامت ۱۲۸ صفحات
سائز مختصر، کتابت وطباعت اور کاغذ بہتر،
قیمت عہ۔ ملنے کا پتہ۔ ادارۂ نشریات اسلام،
رحیم یار خاں (مغربی پاکستان)

یہ مولٰنا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک مقالہ ہے جو انہوں نے جامعہ ملیہ دہلی کے لئے لکھا اور جامعہ کی کسی مجلس میں پڑھا گیا۔ موضوع یہ ہے کہ مذہب زندگی پر کیا اثر ڈالتا ہے؟، اسکی پاک اور ہمہ گیر تعلیمات کس قسم کا معاشرہ اور تمدن پیدا کرنا چاہتی ہیں؟ اور مذہبی اثرات کی بھٹی میں پڑ کر انسانی سوسائٹی کے تمام عیوب، میل کچیل کس طرح نکل جاتا، اور اِنسان ایک زر خالص بن کر باہر آتا ہے۔ سید صاحب نے اِس سلسلہ میں مذہب، فلسفہ اور تمدن کے مشترک سوالات، جواب کے وسائل اور اُن کی علمی تنقید، حواس، عقل، فلسفہ، مذہبی فلسفہ، اشراف دُنیا کے تین اہم تمدن اور نظام حیات، حسی تمدن، عقلی تمدن، اشراقی تمدن، ان تمام مباحث پر ...

في مدح دار العلوم الديوبندية

في الطويل المثمن والقافية متدارك

ناظم القصيدة مولوى محمد شفيق سلهتى شيخ الحديث مدرسه جامعة العلوم ڈاکخانه
گاساڑی ضلع سلهٹ

د	دجنت بدار دار[1] علم محقق	ق	م	مشى اهلها فضلاً على المتفوق
ا	أتيت عمارة[2] تلوح مفشجلا!	ا	ح	حسبنا الجذب كوكب متألق
ر	رحيباً جميلاً بل جماع المدارس	س	م	مقام بنائها من الله خالق
ا	اشاعت علوم الدين نشراً بعالم	م	د	دنت اهلها بها ثريا المعلق
ل	لقد عرفت هند اعلوم نبيتا	ا	ش	شفاء عن الكفران بدع المزندق
ع	عن الجهل والطغيان فسق مسلسل	ل	ف	فعززت على بدع العدو المخلق
ل	لسالت نهور علم دين مرقع!	ع	ی	يفوز بها من رادة من خلائق
و	وقد زينت اهل الهدى بالفضل	ل	ق	قضاء من المولى القدير الموفق
م	محت بدع دارنا اصولاً تزون لو	و	ا	ادرتم عيونكم تقى في الحدائق
ا	افادت وجادت بل ترقى بسلم	م	ل	لمبيع الى السماء صيت الشقائق
ل	لزادت بنوها في الورى فوق خالنا	ا	ح	حماة لدينا هم اناً بعائق
د	دراية كلهم تفوق لفاضل	ل	ق	قضاء وافتاء ودرسا لحاذق
ی	يعد هم الورى بدور الازمن	ن	ا	انارت فاصحت انجما في المضائق
و	وان بنيها ثم ابنائهم نموا	ا	ل	لمحص فزادوا عن نجوم الطرائق
ب	بمحمودنا وانور طار معدن	ن	س	سما صيته من الحسين المدقق
ن	نرى طيبا مكملاً في المديح أو	و	ل	لبيبا بحادث ولوع الحقائق
د	دليلاً على اسرار ابائه اتت	ت	ه	هدايا المديح من قلوب لبطارق
ی	يقوت بمنه الهى الانام قو	و	ت	ت علم تديناً وفضل مورق
ت	تعلم فلا تحرم عن العلم مهجتي	ی	ی	يقيناً وان عندت وقتاً ففارق

---

[1] اسم الادارة = دار العلوم الديوبندية ٭ [2] بانيها = قاسم العلوم النانوتوي ٭

بیتابیٔ شوق

(زائرِ حرم :- حمید صدیقی لکھنوی)

منتظرِ لُطف ہیں ہم دیکھئے
جاتے ہیں کب سوئے حرم دیکھئے

ختم ہو کب تک شبِ غم دیکھئے
دیکھیں گے کب صبحِ حرم دیکھئے

دیدنی ہے حُسنِ حرم دیکھئے
ہوتا ہے کِس کِس پہ کرم دیکھئے

کِس کے لئے لائی نسیمِ سحر
مُژدۂ دیدارِ حرم دیکھئے

ساتھ لئے بے سروسامانیاں
ہم بھی ہیں مُشتاقِ حرم دیکھئے

ذرّۂ ناچیز کی ہستی ہی کیا
مہرِ مُنوّر کا کرم دیکھئے

عُمر میں اِک بار کم از کم ضرور
بارگہِ شاہِ اُممؐ دیکھئے

پہلے تو بنتے ہمہ تن درد و سوز
پھر اثرِ گریۂ غم دیکھئے

آرزوئے خلد و جناں تابکے
جا کے ذرا خُلدِ حرم دیکھئے

دیکھئے جی بھر کے درِ پاک کو
اور بہ آدابِ اُتم دیکھئے

دیدۂ بینا ہو تو ہر ذرّے میں
جلوہ نُما نورِ قدم دیکھئے

دیکھنا ہے روضۂ اطہر اگر
دُور سے بادیدۂ نم دیکھئے

رابطۂ شوقِ نگاہ و جمال
گُنبدِ خضرا پہ بہم دیکھئے

شرطِ ادب ہے کہ درِ پاک کو
ہٹ کے ذرا چند قدم دیکھئے

قُبّۂ پُر نور کو بس بار بار
سدرہ و طوبیٰ کی قسم دیکھئے

مجھ سا حقیر اور دیارِ حرم
رحمتِ عالمؐ کا کرم دیکھئے

دیکھ چکا ہو جو دیارِ حبیبؐ
اُس کو بھی سر تا بقدم دیکھئے

کوئی بھی عالم ہو، مگر اے حمید
شوقِ مدینہ نہ ہو کم دیکھئے!

کیفِ نغمہ

(مولٰنا وجدی الحسینی بھوپال)

مجھے ذوق و شوقِ تغزّل نہیں ہے
بہاراں نہیں، موسمِ گل نہیں ہے

نہیں نورِ عصمت سے تابندہ کلیاں
گلوں میں وہ شانِ تجمل نہیں ہے

نہیں ہے تحیّر فزا چشمِ نرگس
وہ رعنائی زلفِ سنبل نہیں ہے

چمن ہے مگر کیفِ نغمہ سے خالی
نوا ریز گلشن میں بلبل نہیں ہے

نہالانِ گلشن ہیں لب بند گویا
وہ ہنگامہ، وہ شور، وہ غل نہیں ہے

مئے آنگبیں ڈھل رہی ہے بظاہر
مگر بزم میں شورِ قلقل نہیں ہے

وہی دل ہے لیکن بہ فیضِ خرد اب
اسیرِ خمِ و پیچ کاکل نہیں ہے

نگہ ہے مگر ہمسرِ چشمِ انجم
نگہ محوِ چشمِ تغافل نہیں ہے

جنوں ہے مگر رفعتوں کا نگہباں
خرد پائے بندِ تسلسل نہیں ہے

مرا عزم و ہمّت ہے سینہ سی باہر
مجھے تابِ ضبط و تحمّل نہیں ہے

خزاں ہے بہ شکلِ بہاراں چمن میں
کہ رنگینیٔ غنچہ و گل نہیں ہے

کہاں پر تو لذّتِ عیش وجدی
نہیں ہے، مرے دل میں بالکل نہیں ہے

(بقیہ) کوائفِ دارالعلوم دیوبند

عدن ہی میں گذرے گی اور کل صبح روانگی ہوگی۔ لیکن عملہ مستعد تھا اُس نے محنت کے ساتھ مرمت کی۔ رات کو ۱۰ بجے تک جہاز درست ہوگیا اور ۱۱ بجے اُٹھا، تو ۵ گھنٹے لیٹ ہوکر شب کو ۳ بجے، پورے پانچ گھنٹے اُڑ کر نیروبی کے ہوائی اڈہ پر اترے، وہ مجمع جو استقبال کے لئے آیا تھا شب کے ۹ بجے سے رات کے تین بجے تک ہار پھول لئے ہوئے ہوائی اڈہ ہی پر رہا۔ ہم لوگوں کے اُترنے پر اُس نے نعرے لگائے اور جناب شیخ عبدالحسیب صاحب بطور میزبان کے ہمیں اپنی کار میں اپنے خوشنما بنگلے میں لے آئے۔ میمن ہیں بڑی محبت سے پیش آئے اور آرہے ہیں۔ چونکہ نیروبی سے جہاز کا میل فوری نہ تھا، اس لئے نیروبی کا قیام مجبوری کا ہے، بدھ کے دن فرنچ جہاز چلے گا جو رے یونین لیجائے گا۔ نیروبی سے نہ دعوت تھی نہ میری کسی سے واقفیت، فکر تھا کہ تین دن کہاں گذریں گے؟ خیال یہ تھا کہ یہاں کی جامع مسجد میں چلے جائیں گے، امام مسجد بہرحال ہم جنس ہی ہوگا، وہاں یہ تین دن گذار دیں گے۔ مگر بمبئی سے کسی نے یہاں تار دیدیا، تو شہر کے معززین کا کافی مجمع استقبال کے لئے آگیا۔ حق تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ اور اُس کے کس کس انعام کا ذکر کیا جائے اپنی اس نالائقی اور بے لیاقتی پر پر، یہ انعامات محض فضل خداوندی اور بزرگوں کی دُعاؤں کا ثمرہ ہے۔ بدھ کے دن انشاءاللہ یہاں سے روانگی رے یونین کے لئے ہوگی۔ یہاں سے ممباسہ، دارالسلام وغیرہ بھی فون کئے گئے ہیں، وہاں سے بھی لوگ ملنے آئیں گے۔ ہم نے ڈھائی ہزار میل کا سفر کرلیا ہے گویا ہم جدہ کی محاذات میں ہیں اب یہاں سے رے یونین ڈھائی ہزار میل ہے، گویا آدھا سفر طے ہوا ہے، خدا چاہے بدھ کو رے یونین پہونچ جائیں گے اب میں انشاءاللہ رے یونین پہونچکر خیریت نامہ لکھوں گا۔

حق تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام تھا کہ ہوائی جہاز، ہوائی اڈہ پر خراب ہوا، اور چلتے ہوئے ہوا، اُڑتے ہوئے نہیں ہوا، جب حق تعالیٰ بچاتے ہیں تو پھر مارنے والا کون ہے؟ اسی بچاؤ کی صورت رنگون میں بھی پیش آئی تھی کہ جہاز لوٹ آیا۔ اور ایسی ہی صورت کراچی سے ڈھاکہ جاتے ہوئے بھی پیش آئی تھی۔ حق تعالیٰ نے اپنے بچانے کا کرشمہ دکھلا دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مدرسہ میں جناب نائب صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اور دوسرے بزرگوں کو بھی عریضہ دکھلا کر خیریت سے مطلع کردو۔

یہاں نیروبی میں اتنی سردی ہے کہ بند کمروں میں ہم لحاف اوڑھ کر سوئے، اور آج سوئٹر منگوائے جارہے ہیں۔ شہر سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند ہے، یہاں ٹھنڈے اچکنوں کے نیچے سوئٹر میں بھی سردی معلوم ہورہی ہے۔ گھر میں سب کو سلام دُعا، سلمان، سفیان، عدنان، اسماء سلمہم کو پیار

نیروبی نہایت خوبصورت شہر اور ایسٹ افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ہم جس بنگلہ میں مقیم ہیں بڑی پُرفضا جگہ پر ہے، موٹروں کی کثرت کے لحاظ سے امریکہ کے بعد نمبر ۲ شہر مانا گیا ہے ہر چار آدمیوں کے پاس ایک موٹر ہے۔ اُمید ہے آپ لوگ بعافیت ہونگے، گھر اور مدرسہ میں حسب ملاقات وذکر سلام مسنون واستدعاء دُعا۔ والسلام (محمد طیب غفرلہ)

علماءِ حجاز کا وُرود!

کلکتہ کے مشہور تاجر چرم شیخ غلام رسول صاحب کی معیت

میں علمائے حجاز کا ایک مؤقر وفد ۲۸ رجولائی کو صبح دیوبند پہونچا، علمائے حجاز کی یہ جماعت شیخ سعد، شیخ علی، شیخ احمد اور شیخ حسین حجازی پر مشتمل تھی۔ ان حضرات نے بتلایا کہ وہ حجاز سے چار ماہ کے دورہ پر ہند و پاکستان میں آئے ہوئے ہیں، جماعت تبلیغ کے کاموں اور طریق کار کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ دار العلوم اور اسکے کاموں کو دیکھکر ان حضرات نے غایت دلچسپی اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ امیر جماعت مولانا الشیخ حسین صاحب نے جلسۂ خیر مقدم میں عصر کی نماز کے بعد مسجد دار العلوم میں ایک پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دار العلوم دنیائے اسلام میں ایک بے مثال جامعہ ہے، ہمارے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہندوستان میں کوئی ایسی عظیم الشان درس گاہ ہو سکتی ہے، دار العلوم دیوبند قرآن وحدیث اور فقہ وغیرہ علوم اسلامیہ کی جو زبردست اور گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے اسکی نظیر پوری دنیائے اسلام میں آج کہیں نظر نہیں آتی، ہم نے یہاں کے اساتذہ وطلبہ اور کارکنوں میں دینی خدمات کے لئے جو خلوص اور جوش و خروش مشاہدہ کیا اس نے ہمیں بہت متأثر کیا ہے۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم بھی دار العلوم کی مالی اعانت میں حصّہ لیں جس کا انشاء اللہ جلد موقع آئے گا۔

جناب حاجی عبد الستار صاحب تاجر حرم نے جو کلکتہ کے ایک مشہور تاجر ہیں انہوں نے دار العلوم کو ایکہزار روپئے کا گراں قدر عطیہ عنایت فرمایا اور سو روپے ماہانہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

ادارہ اہتمام کی جانب سے مہمانان کرام کی کھانے اور چائے وغیرہ سے تواضع کی گئی، یہ وفد ایک دن قیام کے بعد ۲۹ رجولائی کی صبح کو میرٹھ کے لئے روانہ ہو گیا۔

کاکا حاجی محمد اسمٰعیل صاحب کی رحلت!

حلقہ دار العلوم دیوبند کے لئے یہ سانحہ نہایت رنجدہ ثابت ہوگا کہ صوبۂ مدراس کی علم دوست عظیم شخصیت الحاج کاکا محمد عمر صاحب مرحوم کے بڑے فرزند جناب کاکا حاجی محمد اسمٰعیل صاحب نے گذشتہ ماہ اپنے وطن مالوف عمر آباد میں رحلت فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے والد بزرگوار نے ۱۹۳۰ء میں اپنے صرفِ خاص سے مولانا محمد فضل اللہ صاحب مرحوم فاضل دیوبند کی نظامت میں ایک علمی مرکز کی بنیاد رکھی جو اسوقت جامعہ دار السلام کے نام سے پورے ہندوستان میں اپنی ممتاز خصوصیتوں کے لحاظ سے مشہور ہے۔ مرحوم نے اپنے والد بزرگوار کے بعد اس مدرسہ کی پوری حفاظت فرمائی اور ترقی کے تمام ذرائع کو اختیار فرمایا، ان ہی کی جدوجہد کے نتائج ہیں کہ ایک جامعہ، ایک انگریزی اسکول اور ایک لائبریری جس میں جدید وقدیم کتب کا ذخیرہ ہے، موجود ہیں۔

مرحوم نے اپنی حیات میں جامعہ کے انتظام کو چند مخصوص شرائط کے ساتھ ایک مضبوط کمیٹی کے حوالہ کر دیا تھا۔ مرحوم کو دار العلوم دیوبند سے خصوصی محبت، اور تعلق تھا۔ حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رح نے اپنے سفر جنوبی ہند میں دو مرتبہ اپنی تشریف آوری سے جامعہ کو مشرف فرمایا، مرحوم نے اپنی اور اپنے چھوٹے بھائی جناب کاکا حاجی محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی طرف سے دار العلوم میں ایک کمرہ تعمیر فرمایا تھا۔

ہم اعیان و ارکان دار العلوم کی طرف سے مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں کلمات صبر پیش کرتے ہیں اور مرحوم کے لئے دعا کرتے ہیں کہ پروردگار انکی خدمات کو قبول فرما کر بہترین جزا اپنی طرف سے عطا فرمائے، آمین...